
اعشق یارسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام
علمی ادبی اور تحقیقی مجلہ
لاہور
شیخوپورہ
النظامیہ
مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر فضل حنان سعیدی
مدیران
مولانا محمد فاروق شریف رضوی
مولانا شکور احمد ضیا سیالوی
دسمبر 2020ء
امیر المجاہدین نمبر
مجلس علماء نظامیہ پاکستان
مرکزی دفتر جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
042-37374429 0315-7374429
email:alnizamia7374429@gmail.com



فہرست

مناقب

اداریہ............

بقلم مدیر اعلیٰ: شیخ الحدیث ڈاکٹر فضل حنان سعیدی

مدتوں کرتی ہے گردش جستجو میں کائنات

تب کہیں ملتا ہے ایسا محرمِ رازِ حیات

اس دیرِ ناپائیدار پر لاکھوں کروڑوں لوگ آئے اور اپنی ہستی سے خیر باد بھی کہہ گئے، آج ان میں سے بہت ساروں کا نام ونشاں تک باقی نہیں، رہی بات اسلامی تاریخ کی تو اِس نے ہر عہد میں یہ ثبوت دیا ہے کہ یہ چمنستان ہر موسم میں نیا پھول اُگا سکتا ہے اور اس نے ہمیشہ ہر میدان کے لیے عظیم رجال کی ایک قابلِ قدر تعداد بر وقت مہیا کی ہے، روزِ اول سے عہدِ رواں تک ہر عہد کی تاریخ اِس پر شاہد و ناطق ہے۔

ارضِ چمن نت نئے لالہ زاروں سے گل زار ہوتی رہتی ہے اور پُرانے پھول کھلتے اور مُرجھا کر خاک میں پنہاں ہوتے رہتے ہیں، مگر کچھ پنہاں نشین اپنے زمانے، اپنے معاشرے، اپنے وطن اور اپنی قوم قبیلے سے بہت بلند ہوتے ہیں، اتنے بلند کہ اُن کی پہچان اپنے عہد، وطن، خاندان اور قبیلے سے نہیں بلکہ اُن کے عہد، خاندان اور قبیلے کی شناخت اُن پنہاں نشینوں کے کارناموں سے ہوتی ہے۔ اقبال نے کہا:

اس دور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا

جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے

علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ بھی اسی قبیل سے تھے کہ اُن کا عہد، اُن کا اِرد گرد اور ان کا زمانہ یہ سب ان سے پہچانے جائیں گے۔ ان کی شخصیت رتبے میں مہر و ماہ سے کم نہ

تھی، وہ شعاعِ امید کے ساتھ ساتھ عہدِ قدیم کے خورشیدِ انور بھی تھے۔ بیداریِ قوم وملت کے لیے انہوں نے ''بانگیں'' دیں تو بے حس اور مُردہ دلوں کو گرمانے کے لیے ''ضربِ کلیم'' سے بھی کام لیا۔ جوانوں کو جوش وجنوں کی ترغیب دی تاکہ اُن کی خرد غلامی سے آزاد ہو کر عشق کی پیروکار بن جائے اور وہ اس میں کامیاب ٹھہرے۔ مغرب کے نظام سے مرعوب، آسائش وآلائش کے رسیا، ٹک ٹاک زدہ معاشرے میں انہوں نے سینکڑوں، ہزاروں نہیں لاتعداد نوجوانوں کی زبان پر لبیک یارسول اللہ ﷺ کا قدس مآب نعرہ جاری کردیا۔

مجھے عرصہ بیس سال سے یوکے، یورپ کے اسفار درپیش ہیں، اس چیز کا میں عینی شاہد ہوں، مولانا کے خطابات پر نوجوان طبقے کو شبنمی آنکھوں سے متأثر ہوتے دیکھا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ درس وتدریس کی دنیا سے وابستہ تھے مگر دل میں موجزن جذبۂ حبِ رسول ﷺ کے سبب ایک واقعہ نے انہیں مضطرب کردیا اور یوں وہ اس خاردار وادی میں قدم رنجہ فرما ہوئے اور ابرِ نیساں کی طرح افقِ عالم پر نمودار ہو کر اپنے علم وہنر کے خزانے سے موتی برسائے اور اپنی خطابت اور سادہ زبانی سے قوم کی کایا پلٹ دی۔ صداقت کا درس دیا اور شجاعت کے ہنر سکھائے۔ اپنے گنجینۂ علم وحکمت سے دنیا کو مالا مال کیا تو اقبال ورضا کے نغموں سے بیداری کا صور بھی پھونکا۔

باہم قربتوں اور محبتوں کا تعلق تین عشروں سے زائد عرصہ پر مشتمل ہے۔ اس دوران ہم، ہم درس بھی رہے اور ہم سبق بھی۔ رفیقِ سفر بھی رہے اور ایک دوسرے کے مشیر خاص بھی۔ ہم کلام بھی رہے اور ہم طعام بھی۔ مگر بغیر کسی ایک لمحے کی تلخی کے یہ تعلق قائم رہا اور یادگار بن گیا۔ اُن کا زمانۂ طالبِ علمی بھی دیکھا اور عرصۂ درس وتدریس بھی، سیاست کی خاردار وادی میں اُن کا ورود بھی دیکھا اور ملکی وملی معاملات پر لب کشائی کرنا بھی، ہر حال میں ایک چیز جو

اُن کو دوسروں سے ہمیشہ ممتاز و منفرد رکھتی وہ ان کی خودی اور خود داری تھی۔ انہوں نے اقبال کو صرف پڑھنے یا سنانے کی حد تک نہیں رکھا، بلکہ اس کے آفاقی پیغام کو سمجھ کر اُس پر عمل پیرا ہوئے، پھر اسے دنیا کو سنا کر مقبولِ عوام و خواص ٹھہرے۔

انہوں نے جس جواں مردی، بلکہ جاں فشانی سے تند و تیز طوفانوں کا مقابلہ کیا یہ اُنہی کا خاصہ تھا، کوئی اور ہوتا تو محبت کے اِس بھاری پتھر کو چوم کر وہیں رکھ دیتا، مگر وہ نظریات سے ہٹ جانے یا حبِ رسول ﷺ کے معاملے میں سمجھوتے کے خیال سے بھی آشنا نہ ہوئے۔ مولانا نے اس ذمہ داری کو یوں نبھایا جیسے نبھانے کا حق تھا۔

مگر آہ!! ملتِ اسلامیہ کی امیدوں کے مرکز، قوم کی کشتی کے ناخدا، مردہ دلوں میں زندگی کا لہو دوڑانے والے، خودی کے سفیر اور عشق کے پیامبر نے خود کو موت کے پردہ میں چھپا لیا، اور یوں قلزمِ ہستی سے اُبھرنے والا یہ سیمابی حباب بھی ابدی سفر کو نکل گیا۔ یہ خسارۂ عظیم تھا جس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔

سبھی احباب جانتے ہیں کہ سال 2020ء میں کئی علمائے کبار، آبروئے دانش و حکمت، اربابِ علم و فضل اور شہسوارانِ تدریس و تحقیق دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے، یہ سال عام الحزن بنا، مگر جاتے جاتے یہ جو جاں گسل صدمہ دے گیا وہ سب پہ بھاری ثابت ہوا اور اس صدمے نے صرف ایک طبقۂ فکر کو نہیں بلکہ حبِ رسول ﷺ کا دم بھرنے والے ہر انسان کو غمزدہ کر دیا۔ اُن کا سانحۂ رحلت سب کے لیے باعثِ رنج و الم تھا۔ یہ خبر جس نے بھی سنی سرد آہیں بھریں، دعائیں دیں اور اظہارِ غم و اندوہ کیا۔

علم والے علم کا دریا بہا کر چل دیے　　واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیے
کچھ سخن ور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیے　　کچھ مسیحا تھے کہ مُردوں کو جلا کر چل دیے

ان کا واقعۂ وفات طبقۂ علما میں خاص حیثیت سے اثر انگیز ہوا۔انہوں نے طبعی عمر پائی،لیکن اس خیال سے کہ ”وہ اس عہد میں اگلی صحبتوں کے تنہا یادگار تھے“ ہم ان کے لیے اِس سے دراز عمر کے متوقع تھے،مگر ایک بات طے ہے کہ مولانا نے ہماری ملکی تاریخ کا دھارا یکسر بدل دیا ہے۔اب اربابِ اقتدار واختیار مسلّمات کے متعلق ہرزہ سرائی یا بیرونی قوتوں کا آلۂ کار بننے سے قبل سو بار نہیں ہزار بار سوچیں گے۔

ان کے وصال کے بعد کچھ دن تو ہوش ہی سلامت نہیں رہے،مگر امر ربی کے آگے سرِ تسلیم خم ہے،اسی چیز کا نام رضا ہے اور ہم اس کے ہر فیصلے اور رضا پر راضی ہیں۔حالات معمول پر آنے کے بعد ہم نے ان کی ہمہ جہتی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ کے ترجمان ”مجلّہ النظامیہ“ کا ”امیر المجاہدین نمبر“ شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ان کی ستائش میں زبان کھولنا در پردہ اپنی مدح وستائش کرنا ہے اور اس کا اعلان کرنا ہے کہ ہم بھی صاحبِ بصیرت،اہلِ بینش اور جوہر شناس ہیں۔

اس مجلّہ میں امیر المجاہدین علیہ الرحمہ کے اساتذہ وشیوخ کے شفقت نامے بھی ہیں اور عمائدین و زعما کے پیغاماتِ غم بھی،اُن کے رفقا واحباب کے تأثرات بھی ہیں اور نامور صحافیوں کے تجزیے بھی،ان کے تلامذہ کے عقیدت نامے بھی ہیں اور محبین کے جذبات بھی......اور نام لیواؤں کے نذرانے بھی......آپ کہہ سکتے ہیں کہ اربابِ علم وفضل، صاحبانِ حکمت ودانش اور قرطاس وقلم کے کئی عالی مرتبت افراد نے خامہ فرسائی کی ہے اور ان کی ہمہ جہتی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ادارہ تمام کرم فرماؤں کے لیے تشکرات کا اظہار کرتا ہے۔

چند مضامین وطنِ عزیز میں شائع ہونے والے موقر جریدوں سے لیے گئے ہیں، ادارہ ان جرائدواخبارات کا بھی شکرگزار ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر ان لوگوں کوشامل نہ کیا جائے جنھوں نے غم کی اس گھڑی میں ہمیں یادرکھا اورامیرالمجاہدین کے حوالے سے اپنی دعاؤں سے نوازا اورتعزیت کے لیے اُن کی مادرِعلمی میں تشریف لائے یاتعزیتی مکتوبات ارسال کیے، یہ سب آپ کی اپنائیت کا ثبوت ہے۔اس حادثۂ فاجعہ کے موقع پر ہمیں آپ کی آمداورآپ کے جذباتِ محبت سے بہت حوصلہ ہوا۔جزاکم اللّٰہ تعالٰی فی الدارین۔

امید ہے ''امیرالمجاہدین نمبر'' سب قارئین کے لیےطمانیتِ قلبی کا باعث بھی ہوگا اور ممدوح سے متعلق معلومات کا بیش بہاخزانہ بھی۔اس امر کا اقرارضروری ہے کہ ہم نے ادارہ کی ذمہ دارانہ پالیسی اوراُصول وضوابط کے پیش نظرمضمون نگاروں کی پیشگی اجازت سے کچھ مضامین میں ضروری حذف وترمیم سے کام لیاہےاورمضامین کی نوک پلک بھی سنواری ہے، اس کا بنیادی مقصد واقعات کی تحقیق اورتکرار سے اجتناب ہے۔بوجوہ بعض خامہ فرساؤں کے مضامین اس نمبر کی زینت نہیں بن سکے،اُن حضرات سے درگزر کی درخواست ہے۔

اس علمی دستاویز کا آغاز سرپرستِ اعلیٰ کے پیغام سے ہے، ازاں بعدامیرالمجاہدین کے دوعظیم اساتذۂ کرام کے شفت نامے باصرہ نواز ہیں، پھراُنہی کی زبانی اُن کی حیات کے چند گوشے منکشف ہورہے ہیں، بعدۂ اُن کے رفقائے ذیشان اورصحافی حضرات کے تاثرات زینتِ مجلّہ ہیں اوراِس حصے کا اختتام اُن کے تلامذہ ومحبین کےاحاطۂ تحریر میں لائے گئےعقیدت ومحبت سے سرشار مشاہدات وجذبات کے ساتھ ہے۔آخر میں اُن کے مناقب باعثِ تسکینِ خواطر ہیں۔

قارئین گرامی ! آپ جمیع احباب کو اندازہ ہے کہ یہ مجلّہ انتہائی مختصر وقت میں اور بہت سرعت رفتاری سے اشاعت پذیر ہوا، تاہم ہم نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ کوئی غلطی باقی نہ رہے، مگر بتقاضائے انسانیت امکانِ خطا سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ اگر کسی غلطی پر مطلع ہوں تو ادارے کو ضرور آگاہ کیجئے تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔

آخر میں مَیں اپنی پوری ٹیم کو بہت مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے میرے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور یہ ایک خوبصورت علمی دستاویز تیار کر دی، اور اپنی ٹیم کا اور دیگر معاونین کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کارِ خیر میں ہمارا کسی بھی طرح ساتھ دیا اور اس کی اِشاعت میں ہمارے مدد و معاون ثابت ہوئے۔ یہ ان کی امیر المجاہدین کے ساتھ محبت اور تعاون علی البر کی اعلیٰ مثال ہے۔ اللہ کریم تمام کو ابدی سعادتوں کا سزاوار فرمائے۔

منکر جو ہو نصیر کے فضل و کمال کا

کہہ دو اُسے نوشتۂ دیوار چاٹ لے

سانحاتِ ارتحال

سال 2020ء جاتے جاتے غم کے گہرے بادل ہمارے سروں پر منڈلاتے چھوڑ گیا، کہ اہلِ سنت کی کئی نامور شخصیات اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔

☆ اہلِ سنت کے بزرگ اور متبحر عالمِ دین علامہ مفتی جمیل احمد نعیمی علیہ الرحمہ، دار العلوم نعیمیہ کراچی، 18 نومبر، 2020ء کو کراچی میں انتقال فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ ایک جید عالمِ دین تھے اور دینِ متین کی خدمات کا ایک وسیع سلسلہ چھوڑ کر

رخصت ہوئے۔ انہوں نے اہلِ سنت کے طلبا کو متحد کرنے کے لیے 1968ء میں ''انجمن طلباءِ اسلام'' کی بنیاد رکھی اور 1970ء میں قومی و صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں بھی حصہ لیا اور کامیاب ٹھہرے۔ علامہ جمیل احمد علیہ الرحمہ نعیمی کو ربِ قدیر نے بے پناہ قوتِ حافظہ سے نوازا تھا۔ اشخاص و اماکن اور کتب کے نام اور حوالے انہیں ازبر ہوتے۔ ایک بار جس سے ملاقات ہوئی اُنہیں وقت، تاریخ اور مقام ہمیشہ یاد رہا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کے ساتھ ان کا بہت دیرینہ اور قلبی تعلق تھا۔ آپ مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمان ہزاروی صاحب، مہتمم دارالعلوم نعیمیہ کراچی، کے دیرینہ رفیق تھے۔

☆ حضرت امیر المجاہدین علیہ الرحمہ کے وصال کے دن ہی آستانہ عالیہ پیر بارو شریف کے سجادہ نشین حضرت صاحب زادہ خواجہ محمد حسن باروی کے چچا جان، پیرِ طریقت حضرت صاحب زادہ خواجہ غلام یاسین باروی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا۔ آپ شیخِ طریقت حضرت خواجہ فقیر محمد باروی علیہ الرحمہ کے دستِ راست اور مشیرِ خاص تھے۔ ایک طویل عرصہ علیل رہے، مگر ان کا سلسلۂ خدمات کبھی موقوف نہ ہوا۔

☆ اہلِ سنت و جماعت کے ممتاز عالمِ دین، محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی کے شاگرد و مقربِ خاص شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد حیات خان قادری علیہ الرحمہ 5 دسمبر، 2020ء کو دارِ بقا کی روانہ ہو گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے دارالعلوم حنفیہ رضویہ، آزاد کشمیر، قائم فرمایا اور اپنی ساری توانائیاں اس ادارے کی تعمیر و ترقی اور اشاعتِ اسلام کے لیے صرف کیں۔ ہزاروں علمائے کرام اس ادارے سے فیض یاب ہو کر ملک و بیرونِ ملک میں خدمتِ اسلام کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ جماعتِ اہلِ سنت، تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان اور اسلامی نظریاتی

کونسل میں بھی اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

☆ نومبر کے آخری عشرے میں عالمی شہرت یافتہ قاریِ قرآن، اُستاذ المجو دین قاری کرامت علی نعیمی صاحب کا وصال ہوا۔ اللہ تعالی نے آپ کو لحنِ داودی سے نوازا تھا، وہ زندگی بھر اپنی خوبصورت آواز سے قرآنِ مجید کا فیضان عام کرتے رہے۔

☆ مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کے خاندان میں یکے بعد دیگرے دو بڑے حادثے ہوئے۔

مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے پھوپھی زاد اور آپ رفیقِ خاص، محبوب العلما مولانا غلام فرید ہزاروی (ناظمِ مالیات جامعہ نظامیہ رضویہ) کے برادرِ گرامی جناب قاری محمد یعقوب ہزاروی علیہ الرحمہ کا 23 نومبر، 2020ء کو انتقال ہوا۔ آپ ایک سیاسی وسماجی شخصیت تھے اور علاقہ بھر میں بہت اچھی پہچان اور شہرت کے حامل تھے۔

4 دسمبر، 2020ء کو قبلہ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے داماد جناب محترم محمد عبدالقیوم صاحب علیہ الرحمہ انتقال کر گئے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ اور مجلس علماء نظامیہ پاکستان کے جملے عہدے داران وارا کین تمام مرحومین کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے دعا گو ہیں، پس ماندگان سے اِظہارِ تعزیت کرتے ہیں اور اُن کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں اور وصال فرمانے والے اکابر کے متعلقین کو اُن کا مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پیغامِ سر پرستِ اعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نایاب نہیں تو کم یاب لوگ ہی ایسے ہوتے ہیں جو تاریخ پر اپنے گہرے اثرات چھوڑ جاتے ہیں، اور پھر اپنی فیلڈ سے ہٹ کر کسی دوسری فیلڈ میں تاریخ کا دھارا یکسر بدل دینا یہ تائیدِ بارگاہِ ایزدی کے بغیر ممکن نہیں۔ بلاشبہ امیر المجاہدین، پیکرِ استقامت وعزیمت، محافظِ ناموسِ رسالت وختمِ نبوت، استاذی واستاذ العلما علامہ حافظ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے وقت کی باگیں تھام کر حالات کا رخ ہی موڑ دیا اور تاریخ کی منہ زور موجوں کے تموج پر سوار ہو کر بنجر ہوتی زمین پر نئے دریا بہا دیے۔

ان کا ایک خاص کمال یہ بھی تھا کہ انہوں نے ہر کام میں منفرد اسلوب متعارف کروایا اور مقبولیت کے ایسے جھنڈے گاڑے جنہیں ہمدوشِ ثریا کہنے میں مبالغہ نہیں۔ تاریخ کبھی بھی اُنہیں اور اُن کے اسلوب کو فراموش نہیں کر سکے گی۔ بلا مبالغہ وہ ایسی شخصیت ہیں جنہیں عبقری (Legend) کہا جاتا ہے۔

وہ والدِ گرامی مفتیٔ اعظم پاکستان قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قابلِ افتخار تلمیذ ہونے کے ساتھ ساتھ جامعہ نظامیہ رضویہ کا فخر اور اِس کی فکر کے وارث وامین تھے، جس نے اس دھرتی کی آبیاری کی ہے۔ بلاشبہ یہ جامعہ نظامیہ رضویہ کا اعزاز ہے کہ یہاں سے مدرسین، محققین اور مفتیانِ کرام وخطبائے عظام کے ساتھ ساتھ حق گو مجاہدین بلکہ امیر المجاہدین بھی تیار ہوئے ہیں۔

انہوں نے عشقِ رسول ﷺ کی روشنی میں دین کو جیسا سمجھا ویسا بیان کیا اور قوم کو اُس

سے آ گہی دی۔ اُن کا مقصد تھرتھلی مچانا نہیں تھا، بلکہ عشقِ نبی ﷺ کی چنگاری سلگانا تھا جسے وہ شعلہ زن کر گئے۔ ہمیشہ اپنے اہداف پر نظر رکھی ،شہرت کی خواہش سے میلوں دور اپنے مقصد کی کامیابی کے لیے جتن کیے اور ہر چیز کو بالائے طاق رکھ کر اپنی دُھن میں مگن اپنی منزل کی جانب رواں رہے۔ اُن کی منزل اگر چہ شہرت تھی تو نہیں، مگر شہرت انہیں خوب نصیب ہوئی۔ مشن کی سچائی اور اخلاصِ باطن نے انہیں شہرت بھی ایسی دی کہ دنیا اش اش کر اٹھی۔ وہ سرخرو اور سرفراز ہو کر عشقِ رخِ شہ کا چراغ لیے لحد کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے رب کے حضور پیش ہو گئے۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.**

اہل سنت کو ایک نئی پہچان دی اور یہ ان کی جدوجہد کا ثمر ہے، ورنہ ہماری خفتہ نصیبی کس پر عیاں نہیں۔ وہ اس بات سے بے نیاز رہے کہ سوچنے والوں نے کیا سوچا، لکھنے والوں نے کیا لکھا اور کہنے والے کیا کہیں گے۔ اُن کی زبان پر یہ دونوں چیزیں بالخصوص بہت جچیں: ایک نعرہ ''لبیک یا رسول اللہ ﷺ'' دوسرا کلامِ اعلیٰ حضرت: ''انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام...... للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا''۔

دعا جو:

محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی

حیاتِ امیر المجاہدین پر ایک نظر

☆ ولادت: ۳ ربیع الاول، ۱۳۸۶ھ/ 22 جون، 1966ء، بروز بدھ

☆ حفظِ قرآن کریم کے لیے جہلم کا سفر: ۱۳۹٤ھ/ 1974ء

☆ تجوید و قراءت کے لیے جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ میں داخلہ: شوال ۱۳۹۹ھ/ ستمبر، 1979ء۔ فراغت: شعبان، ۱٤۰۰ھ/ جون، 1980ء

☆ درسِ نظامی کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں داخلہ: ذوالقعدہ ۱٤۰۱ھ/ 12 ستمبر، 1981ء، بروز ہفتہ (جامعہ کے دفتری ریکارڈ کے مطابق یہی تاریخ مصدقہ ہے)

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے فراغت اور تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے تحت شہادۃ العالمیہ کی تکمیل: شعبان، ۱٤۰۸ھ/ مارچ، 1988ء

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریس کا آغاز: ۱٤ شوال، ۱٤۱۰ھ/ 9 مئی، 1990ء، بروز بدھ

☆ محکمہ اوقاف، پنجاب میں شمولیت: ۱٤۱٤ھ/ اکتوبر، 1993ء

☆ پہلی گرفتاری (داتا دربار کے باہر سے): صفر ۱٤۲۷ھ/ 17 مارچ، 2006ء، بروز جمعہ

☆ مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان کی صدارت: ۲۰ رجب ۱٤۲۸ھ/ 5 اگست، 2007ء، بروز اتوار

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ میں بطورِ شیخ الحدیث تقرر: ۱٦ شوال ۱٤۲۸ھ/ 29 اکتوبر 2007ء

☆ دورۂ ملکِ شام: 2007ء

☆ والد گرامی کا وصال: جمادی الاولی ۱٤۳۰ھ/ مئی 2009ء

☆ حادثہ، جس کے سبب معذور ہوئے: 2009ء

☆ والدہ ماجدہ کا وصال: 2010ء

☆ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں آخری سبق: ۹ ربیع الاول، ۱۴۳۶ھ/ یکم جنوری، 2015ء، بروز جمعرات

☆ دوبارہ گرفتاری: ۱۲ ربیع الاول، ۱۴۳۶ھ/ 4 جنوری، 2015ء، بروز اتوار

☆ ڈی چوک، اسلام آباد دھرنا برموقع چہلم غازی ممتاز حسین قادری (جو مذاکرات کے بعد ختم ہوا): 27 مارچ، تا 30 مارچ، 2016ء

☆ قانونِ ختم نبوت میں ترمیم کے خلاف فیض آباد دھرنا (جو مطالبات پورے ہونے پر ختم ہوا): 5 نومبر، 2017ء تا 27 نومبر، 2017ء۔ آپریشن: 25 نومبر۔

☆ ہالینڈ کی طرف سے گستاخانہ خاکوں کے مقابلہ کے اعلان پر لاہور تا اسلام آباد لانگ مارچ (جو اعلان واپس لینے کی وجہ سے اختتام پذیر ہوا): اگست، 2018ء

☆ آسیہ ملعونہ کی بریت کے خلاف دھرنا (جو معاہدے کے ذریعے اختتام پذیر ہوا): 2 نومبر 2018ء

☆ سہ بارہ گرفتاری: نومبر، 2018ء تا مئی 2019ء

☆ مینارِ پاکستان میں لبیک یارسول اللہ کانفرنس: 2 نومبر، 2019ء، بروز ہفتہ

☆ فرانسیسی سفیر کی ملک بدری اور فرانس سے بائیکاٹ کے لیے مارچ اور دھرنا (جو ایک دن بعد مطالبات تسلیم کیے جانے پر اختتام پذیر ہوا): 15 نومبر، 2020ء

☆ وصال: چوتھی شب، ربیع الثانی، ۱۴۴۲ھ/ 19 نومبر، 2020ء، شبِ جمعہ

☆ نمازِ جنازہ وتدفین: ۵ ربیع الثانی، ۱۴۴۲ھ/ 21 نومبر، 2020ء، بروز ہفتہ

عظمتِ کردار کا گوہرِ تاب دار

رشحاتِ قلم: شیخ الحدیث مفتی گل احمد خان عتیقی مدظلہ العالی

ہر آدمی کے کارنامے اور کردار اُس کی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہادیٔ سبل، ختم الرسل، باعثِ تخلیقِ کائنات، فخر موجودات، سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نے اپنے چالیس سالہ کردار کو اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا۔ اگر اسی تناظر میں محسنِ ملت، فخرِ اہلِ سنت، مخدوم ورہبرِ قوم، جرأت واستقامت کے کوہِ لازوال، رشدوہدایت کے منار، اسلام کی نظریاتی اور ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے عظیم محافظ، تحفظِ ناموسِ رسالت کے پُرجوش اور بے باک ترجمان اور علمبردار حضرت علامہ مولانا حافظ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات کو دیکھا اور پرکھا جائے تو خالق حقیقی نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نواز رکھا تھا۔

آپ اپنے دور کے حق گو، شعلہ بیان، نڈر، بے باک، جری، دلیر، شجاع اور بہادر خطیب بھی تھے اور اپنے ہمسفروں میں بہترین مدرس، اچھے لکھاری، نفیس ترین محقق ومصنف بھی تھے۔ موجودہ دور میں قائدِ ملتِ اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی مرحوم ومغفور اور مجاہدِ ملت حضرت علامہ مولانا عبدالستار خان نیازی کے بعد ظالم، جابر اور گمراہ حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا آپ کا خاصہ اور طرۂ امتیاز تھا۔ آپ کی حبِ رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی جرأت مندانہ للکار سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا اور حکمران تمام تر وسائل کے باوجود حواس باختہ ہوکر کانپنے لگتے۔ آپ نے بارہا اِس بات کا عملی مظاہرہ فرمایا'' کافر ہے تو کرتا ہے شمشیر پر بھروسہ...... مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی''۔

خصوصاً راولپنڈی کے دونوں دھرنوں میں آپ اور شمعِ رسالت کے دیگر پروانے بے تحاشا شیلنگ کے باوجود بھوکے پیاسے اور سردی سے ٹھٹھرتے ڈٹے رہے اور اپنی صحت اور جانوں کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کی، بالاخر ظالم ناکام رہے اور تحفظ ناموس رسالت کا پرچم بلند ہوا اور باعزت طریقے سے دھرنا ختم ہوا اور تحریک لبیک اپنے مطالبات منوانے میں کامیاب رہی۔

آپ کے اِن تمام محاسن، کمالات اور کامیابیوں کا مرکز ومحور آپ کی حبِ رسول ﷺ میں جنون کی حدتک وارفتگی تھی اور اسی وارفتگی کانام ایمانِ کامل ہے، تو آپ کی کامیابیوں کا مدار آپ کے کامل مومن ہونے پر ہے۔

اِس قسم کے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں، مستقبل میں آپ کا خلا پُر ہوتا نظر نہیں آرہا۔ نیز اگر یہ کہا جائے کہ آپ اپنے بزرگوں سے بھی سبقت لے گئے ہیں تو یہ ایک حقیقت ہے، مبالغہ نہیں۔ اُن کے جنازے میں دوکروڑ کے لگ بھگ لوگوں کی شرکت اِس کی بات واضح دلیل ہے۔

آپ نے اُس وقت مجھ سے ''شرح عقائد'' پڑھی، جب میں نے شیخوپورہ سے لاہور آکر جامعہ نظامیہ رضویہ میں تدریس شروع کی۔ آپ اپنے تمام اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے، لیکن حضرت علامہ مولانا رشید احمد نقشبندی سے زیادہ متأثر تھے۔ آپ فرمایا کرتے: ''اگر میرے استاذ علامہ رشید احمد صاحب میری سیاسی اور مذہبی راہ نمائی نہ فرماتے تو نہ جانے میں کہاں بھٹکتا پھرتا''۔ آپ عظیم روحانی شخصیت پیرطریقت ورہبر شریعت حضرت پیر عبدالواحد المعروف حاجی پیر صاحب کے مرید تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے جزیل عطا فرماتے ہوئے جنت الفردوس عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

امیر المجاہدین علیہ الرحمہ......

ایک باادب طالبِ علم، مخلص عالمِ دین اور عظیم راہ نما

تأثرات: جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی دامت برکاتہم العالیہ

امیر المجاہدین، عزیزم مولانا حافظ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کی وفات اُمتِ مسلمہ بالخصوص اہل سنت وجماعت کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ اکثر لوگ تو صرف اُن کی پُرجوش اور ایمان افروز تقریروں سے ہی متأثر ہیں، مگر میرے سامنے اُن کی زندگی کے ایسے بہت سے گوشے ہیں جن میں سے ہر ایک لائقِ تقلید ہے۔ چند یادیں سپردِ قلم ہیں۔

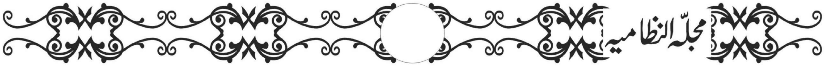
☆ لوگ چار طرح کے ہوتے ہیں:

۱) جو نہ تو کوئی قابلِ ذکر کام کرتے ہیں اور نہ ہی تعریف کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ یہ لائقِ ذکر ہی نہیں۔

۲) جو کام بھی کرتے ہیں اور داد و تحسین کے بھی متمنی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خدمات تو عمدہ ہیں، مگر طلبِ تحسین کا انجام خطرناک ہے۔

۳) جو کام تو نہیں کرتے، مگر چاہت رکھتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے۔

۴) جو عظیم الشان خدمات تو سرانجام دیتے ہیں، مگر لوگوں سے تعریف کی آرزو نہیں رکھتے، محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کے حبیب ﷺ کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا، مصطفیٰ کریم ﷺ کی نگاہِ کرم اور مخلوق میں مقبولیت سے سرفراز



کر دیے جاتے ہیں۔

امیر المجاہدین عزیزم مولانا خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ مؤخر الذکر خوش نصیبوں میں سے تھے۔ اُنھوں نے کام تو بہت بڑے بڑے کیے، مگر داد وتحسین کے طلب گار کبھی نہ ہوئے۔ اُن کے اس اِخلاص ہی کی برکت ہے کہ اللہ تعالی نے مختصر وقت میں اُنھیں ایسی مقبولیت سے نوازا کہ ماضی قریب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

☆ اُن کے دورِ طالب علمی میں ہی اُن کی عادات واطوار اور اوصاف وکردار سے مَیں اندازہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالی اِس طالبِ علم کو مستقبل میں عظیم کام کی توفیق عطا کرے گا۔

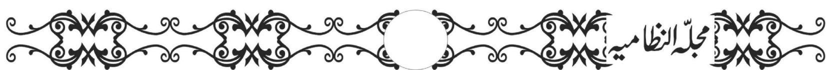
☆ دورِ طالب علمی میں وہ تقریر سے کچھ ہچکچاتے تھے۔ایک، دو بار ہفتہ وار تربیتی پروگرام میں اپنی باری پر غیر حاضر رہے۔ پھر مَیں نے سختی سے پابند کیا تو پہلی تقریر میں ہی حکمِ الٰہی سے اُن کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا:

ستم گر! اِدھر آ، ہنر آزمائیں　　　تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں

پھر وہ عمر بھر اس شعر کا بہترین مصداق رہے۔

☆ اُنھیں شروع سے ہی علمِ دین کے ساتھ گہری محبت تھی۔ طالبِ علمی دور میں نظام الاوقات میں شامل اسباق پڑھنے کے ساتھ ساتھ مجھ سے اضافی اسباق بھی پڑھتے۔ رات گئے تک مطالعہ کرتے اور دلجمعی کے ساتھ علمی مشاغل میں مصروف رہتے۔

☆ اشاعتِ دین کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً تدریس، تصنیف اور تقریر۔ اللہ تعالی نے عزیزم امیر المجاہدین علیہ الرحمہ کو اِن سب ذرائع سے نمایاں خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا کی۔ اُنھوں نے ایک طویل عرصہ تک جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریسی خدمات سرانجام دیں، یہاں امام الصرف والنحو کا لقب پانے کے بعد شیخ الحدیث کے منصبِ جلیل



پر بھی فائز ہوئے۔ پھر چند سال تحریکی مصروفیات کے سبب تدریس کے تعطل کے بعد اِمسال (2020ء) میں جامعہ نعمانیہ، لاہور میں دوبارہ تدریسی سلسلہ بحال کیا اور صحیح بخاری شریف پڑھانے کی سعادت پاتے رہے۔ اپنی نوعیت کی چند منفرد اور انتہائی مفید تصانیف بھی یادگار چھوڑیں اور میدانِ خطابت میں تو وہ لاثانی تھے۔

☆ اُن کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اپنے اکابر کا نہایت احترام کرتے۔ شہرت کی اِن بلندیوں تک پہنچنے کے باوجود آخری ملاقات تک کبھی بھی مجھے بحیثیتِ لیڈر نہیں ملے، ہمیشہ ایک باادب طالبِ علم کی طرح ملتے، بلکہ اپنے باپ کی حیثیت دیتے، حتی کہ بعض اوقات اپنی ویل چیئر سے بھی نیچے اُتر آتے اور زمین پر بیٹھ جاتے۔ بھرے مجمع میں بھی دست بوسی کر لیتے اور پاؤں تک چومنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہر اہم معاملے میں مشاورت کرتے اور راہ نمائی لیتے۔

اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور اُن کے جملہ متعلقین، بالخصوص اُن کے جانشین عزیزم مولانا سعد حسین رضوی (امیر تحریک لبیک) کو اُن کے مشن پر کاربند رہنے کی توفیق عطا کرے۔

سفیر محبتِ رسول ﷺ علامہ خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ

رشحاتِ قلم: شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

یہ 21 نومبر 2020ء کی روح افزا صبح ہے، مینارِ پاکستان لاہور میں قرار دادِ پاکستان کی یاد تازہ ہو رہی ہے، داتا کی نگری کی ہر شاہراہ پر ایک ہجوم رواں دواں ہے، ہر راہی کی منزل مینارِ پاکستان ہے، ہر قافلہ مینارِ پاکستان کی طرف جادہ پیما ہے، کوئی مشرق سے آ رہا ہے تو کسی نے مغرب کی طرف سے رختِ سفر باندھا ہے، کسی کا آغازِ سفر جنوب کی جانب سے ہے تو کسی کی سمتِ آمد شمال ہے۔ نہ صوبے کی قید ہے نہ ضلعی اختلاف ہے۔ کون، کون سی بولی بولتا ہے اور کسی کا تکلم کس زبان میں ہے؟ ان تمام تعارفی اختلافات کے باوجود سب کی منزل ایک ہے اور وہ مینارِ پاکستان ہے۔

کسی نے پوچھا آج مینارِ پاکستان میں اتنا ہجوم کیوں ہے؟ کیا کوئی سیاسی جلسہ ہے؟ کسی مذہبی جماعت کی کانفرنس ہے یا آزادئ پاکستان کا یوم تاسیس ہے؟ بتانے والے نے بتایا: نہیں نہیں! ایک جنازہ آ رہا ہے اور یہ سب لوگ نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

پوچھنے والے نے پھر پوچھا: یہ کسی سیاسی لیڈر کا جنازہ ہے؟ یا کسی لینڈ لارڈ سرمایہ دار کا جنازہ ہے؟ یا کسی سجادہ نشین یا کسی علامہ کا جنازہ ہے؟ جواب دیا: نہیں! ایک ایسی شخصیت کا جنازہ ہے جس کا سیاسی پس منظر نہیں، وہ کسی علامہ کا لختِ جگر نہیں، کسی مرشد کا صاحب زادہ نہیں، اس کے خانوادہ کا اقتدار سے دُور دُور کا واسطہ نہیں۔ وہ ایک متوسط گھرانے کا فرد ہے، پس ماندہ علاقے کا باسی ہے، گھر سے علم دین کے حصول کے لیے نکلا، قرآن مجید حفظ کیا، تجوید و قراءت کا کورس مکمل کیا، درسِ نظامی اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد

مسندِ تدریس پر بیٹھا، محراب و منبر سے رشتہ قائم کیا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ تحفظِ عقیدۂ ختم نبوت کے لیے کمر بستہ ہوا، ''العاقب'' نام کا رسالہ نکالا جس میں عقیدۂ ختمِ نبوت کے عنوان سے علمی سوغات کے ساتھ ساتھ منکرینِ ختمِ نبوت کی سازشوں کا پردہ چاک کیا۔ پھر اِس سے آگے بڑھا، اپنی جسمانی معذوری کے باوجود ختم نبوت کے لیے ایک بڑی سازش کے سامنے ڈٹ گیا۔ پھر جب عظمت وحرمت رسول ﷺ کے خلاف بدطینت و بد باطن لوگوں نے امتِ مسلمہ کے قلب وجگر کو زخموں سے چُور چُور کیا تو یہ مردِ مجاہد پھر میدان میں نکلا اور کسی خوف وخطر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بے حس حکمرانوں کے درِ غیرت پر دستک دی۔ اور بالآخر اپنے آقا کی عظمت، عزت، حرمت اور عقیدۂ ختم نبوت کا درس دیتا ہوا اپنے رب کی بارگاہ اور اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡن.

پوچھنے والے نے پھر پوچھا: کیا یہ سب لوگ اس کے رشتہ دار ہیں جو اس کے جنازہ میں شرکت کے لیے ملک پاکستان کے کونے کونے سے اور بیرونِ ملک سے بھی، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے مینارِ پاکستان پہنچے ہیں؟ جواب دینے والے نے بتایا: ہاں! ان سب کا اس سے رشتہ تھا اور ہے، یہ اس کے نسبی رشتہ دار نہیں، اِس کے اور اِن کے درمیان رضاعت کا رشتہ بھی نہیں، اِن میں اس کے شاگرد بھی ہیں، عقیدت مند بھی ہیں، ظاہری رشتہ داری کا تعلق رکھنے والے بھی ہیں، لیکن ان سب کو جمع کرنے والا ایک ہی رشتہ ہے اور وہ اپنے آقا خاتم النبیین ﷺ سے محبت اور عقیدت کا رشتہ ہے اور اس شخص نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ اس رشتے کو اس طرح نبھایا کہ بڑے بڑے مشائخ، مقتدر علما، اور تہجد گزار لوگوں کو پیچھے چھوڑ گیا۔

اِس شخص کو دنیا امیر المجاہدین محافظِ عقیدۂ ختم نبوت و ناموسِ رسالت علامہ خادم حسین

رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔ میڈیا اِس سے نا آشنا نہیں، چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا، اُمرا، سیاسی لیڈر، علما، طلبا، عام پبلک اِنہیں سلامِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

علامہ خادم حسین رضوی کی یہ مقبولیت ہماری مادرِ علمی جامعہ نظامیہ رضویہ کے لیے باعثِ فخر ہے۔ وہ اس عظیم درس گاہ میں طالبِ علم بھی رہے اور مدرس بھی، وہ اپنے اساتذہ کا بے حد احترام کرتے تھے اور اپنے ہر استاذ کو ''استاذ نا الکریم'' کہا کرتے تھے۔ مسندِ تدریس پر بیٹھے تو امام الصرف کہلائے، محراب و منبر کو رونق بخشی تو نہایت آسان زبان اور مجاہدانہ انداز میں خطابت کے جوہر دکھائے اور جب ناموسِ رسالت کے مشن پر نکلے تو تا دمِ زیست اپنے مشن کے وفادار رہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ آپ کی تربت انور پر بے بہا رحمتوں کا نزول فرمائے اور آپ کے صاحبزادوں کو اپنے عظیم والد (علیہ الرحمہ) کے مشن کی کامیابی کے لیے اپنی برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ النبیّ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

امیر المجاہدین کی سوانحِ زندگانی اُنہی کی زبانی

امیر المجاہدین شیخ الحدیث مولانا خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا یہ انٹرویو اُن کی حیاتِ مبارکہ میں شائع ہوا تھا۔ اصل مفہوم کو پوری طرح باقی رکھتے ہوئے ضروری ترمیم اور عناوین کے اضافہ کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔ (ادارہ)

ولادت:

مَیں نے 1966ء میں ضلع اٹک کے گاؤں نکہ کلاں کے ایک زمیندار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ہم دو بھائی اور چار بہنیں ہیں۔

ابتدائی تعلیم:

مَیں نے گاؤں کے اسکول میں چار جماعتیں پڑھیں۔ پانچویں کلاس کی کتابیں خریدیں، لیکن کلاس میں جانے سے پہلے ہی دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جہلم چلا گیا۔

حفظِ قرآن کریم کے لیے جہلم روانگی:

اٹک سے جہلم کے لیے رختِ سفر جون، 1974ء میں باندھا۔ عمر بمشکل آٹھ برس ہوگی۔ جب میں جہلم پہنچا تو اس وقت تحریکِ ختمِ نبوت عروج پر تھی۔ جلسے جلوس اور پکڑ دھکڑ ہورہی تھی۔ ہمارے گاؤں کے استاذ حافظ غلام محمد صاحب علیہ الرحمہ مجھے جامعہ غوثیہ اشاعت العلوم، عیدگاہ لے گئے۔ یہ مدرسہ قاضی غلام محمود صاحب (مریدِ خاص پیر سید مہر علی شاہ) علیہما الرحمہ کا تھا، وہ خطیب اور امام تھے اور اُن کے بیٹے قاضی حبیب الرحمٰن مدرسہ کے منتظم تھے۔ حفظِ قرآنِ کریم کا آغاز قاری غلام یٰسین صاحب کے پاس کیا، بعد میں قاضی

امانت علی صاحب مجھے حفظ کراتے رہے۔

ازاں بعد گاؤں کے استاذ صاحب نے ہمیں مشین محلّہ نمبر 1 پر واقع دارالعلوم میں داخلہ دلا دیا۔ بارہ سپارے جامعہ غوثیہ اشاعت العلوم میں حفظ کر لیے تھے۔ باقی اٹھارہ پارے مشین محلّہ نمبر 1 کے دارالعلوم میں حفظ کیے۔ یوں چار برس کے عرصے میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔اس وقت میری عمر بارہ برس کے لگ بھگ تھی۔

تجویدوقراءت:

قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد دینہ (ضلع گجرات) چلا گیا۔ یہاں دو برس تک تجویدوقراءت پڑھی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور روانگی:

اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کا عزم کیا، پھر زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں گزرا۔

بچپن کے معمولات:

جہلم اور پھر دینہ میں بچپن اورلڑکپن کا ابتدائی دور، مدرسے کی منظّم زندگی میں گزرا۔ وقت پر اُٹھنا، پڑھنا اور پھر سو جانا۔شرارتیں کیں، نہ لڑتا جھگڑتا تھا۔اس کا وقت بھی نہیں ملتا تھا، زیادہ وقت تو پڑھائی میں گزر جاتا تھا۔بچپن کا ایک معمول آج تک مجھے یاد ہے، ہر رات سورۂ محمد شریف پڑھ کرسویا کرتا تھا۔ یہ بات بغیر کسی کے بتائے میرے دل میں آئی تھی جو پھر میری زندگی کا حصہ بن گئی۔سونے سے پہلے وضو کرتا اور چار پائی پر دو زانو بیٹھ کر سورۂ محمد شریف پڑھ کر سوتا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے،کبھی کبھی بھول جاتا ہوں، لیکن آج بھی

سونے سے پہلے تسبیح فاطمہ ضرور پڑھتا ہوں: 33 بار سبحان اللّٰہ، 33 بار الحمد للّٰہ اور 34 بار اَللّٰہ اکبر۔ یہ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ کا بھی معمول تھا۔

لاہور میں معمولات:

لاہور آیا تو زندگی کی چودہ بہاریں دیکھ چکا تھا۔ یہاں بھی معمولاتِ زندگی میں زیادہ فرق نہیں آیا تھا۔ جامعہ نظامیہ رضویہ میں پڑھنے کے بعد شام کو پانچ بجے چھٹی ہوتی تو عصر کے بعد سیر کے لیے مینارِ پاکستان چلا جاتا تھا۔ سورج غروب ہونے لگتا تو پیدل واپسی کی راہ لیتا۔ مغرب کی نماز سوتر منڈی کی ایک مسجد میں قاضی عبد القیوم صاحب کے پیچھے پڑھتا۔ سیر کے لیے روزانہ مینار پاکستان جانا اور والی بال دیکھنا ہی میری غیر نصابی سرگرمیاں تھیں۔ خود کوئی کھیل نہ کھیلا، نہ ہی شوق ہوا۔ کرکٹ سے ہمیشہ چڑ رہی۔

والد گرامی کی یادیں:

مَیں اپنے والد، لعل خان صاحب کے بہت زیادہ قریب تھا۔ وہ مجھ سے حد درجہ پیار کرتے تھے۔ میرے حوالے سے بہت زیادہ حساس بھی تھے۔ کسی کو میرے سامنے اونچا نہیں بولنے دیتے تھے۔

والد صاحب کے بچپن کے ایک دوست محمد نواز نے ایک روز والد صاحب کی موجودگی میں مجھے طنزاً ''صوفی'' کہہ دیا، والد صاحب اتنا برہم ہوئے کہ اُسے مارنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بولے: اس کی جرأت کیسے ہوئی کہ میرے بیٹے کو طنزاً مخاطب کرے، چنانچہ نواز صاحب کو معافی مانگ کر جان چھڑانی پڑی۔

والد صاحب اٹک سے میرے لیے وافر مقدار میں دیسی گھی لایا کرتے۔ آج بھی

میں دیسی گھی ہی کھاتا ہوں، کبھی بناسپتی گھی چکھا تک نہیں۔ والد صاحب کے گاؤں سے گھی لانے کا سلسلہ میرے برسرِ روزگار ہونے کے بعد بھی جاری رہا، لیکن کبھی انہوں نے مجھ سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ وہ اپنی خدمت کرواتے ہی نہیں تھے۔ صرف یہ کہتے: ''جس کام کے لئے ہم نے آپ کو تیار کیا ہے وہ کام کرو''۔ والد صاحب نے مجھ سے اپنے لیے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ مَیں نے زبردستی کچھ دینا بھی چاہا تو بھی انکار کر دیا، کبھی موڈ میں ہوتے تو جو واسکٹ میں نے پہنی ہوتی تھی، کہتے: "یار! یہ مجھے دے دے، اچھی لگ رہی ہے"۔ میں کہتا کہ نئی لا دیتا ہوں، فرماتے: یہی چاہیے۔ مَیں اکثر براؤن رنگ کی ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ کبھی کبھار یہ ٹوپی طلب کر لیا کرتے، کہتے کہ اس کا رنگ ایسا ہے کہ بالوں میں تیل لگانے سے میلی نہیں ہوتی۔ وہ "تارے میرے" کا تیل لگاتے، میں بھی اُن کی طرح سر پر یہی تیل لگاتا ہوں۔

والد ماجد کا انتقال:

ایکسیڈنٹ سے قبل مَیں کشمیر سے خطاب کے بعد واپس لاہور آ رہا تھا کہ راستے میں والد صاحب کا فون آیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اُن کا آخری وقت آ گیا ہے۔ بڑی محبت سے اُٹھ کر ملے۔ مَیں نے گھر والوں سے کہا: مجھے پیاز اور دال والی روٹی پکا کر دو۔ والد صاحب نے میری بھابھی کو کہا کہ سارا سامان میں تیار کرتا ہوں، پھر تم روٹی پکا دینا۔ اس دوران میری آنکھ لگ گئی۔ دھوپ آ گئی تو والد صاحب نے آگے کپڑا ڈال دیا، روٹی پکنے پر مجھے جگایا۔ ظہر تک مجھ سے گفتگو کرتے رہے، زیادہ تر ماضی کی باتیں زیرِ بحث رہیں۔ جب میں گاؤں جاتا تو والد صاحب کہتے: باجماعت نماز پڑھاؤ، لیکن اس روز انہوں نے یہ بات نہیں کی۔ مشکل سے

اٹھ کر وضو کیا، عصر کے وقت میں نے لاہور جانے کی اجازت مانگی تو کہا: ہاں! چلے جاؤ، اب میری طبیعت ٹھیک ہے۔ ساتھ ہی میری گردن پر ہمیشہ کی طرح بوسہ دیا۔ مجھے ایک کرنٹ سا محسوس ہوا، پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ چھٹی حس نے کہا: شاید یہ آخری ملاقات ہے۔ چنانچہ دوسرے روز ظہر کے وقت ان کا انتقال ہوگیا۔ چار پائی پر بیٹھے تھے، اچانک پیچھے کی جانب گر گئے۔ یہ میری زندگی کا مشکل ترین مرحلہ تھا کہ ایک سائبان سر سے اٹھ گیا۔

والدہ ماجدہ کی یادیں:

ہر ماں کی طرح میری والدہ مجھ سے بے پناہ محبت کیا کرتی تھیں۔ عمر بھر میرا بہت خیال رکھا۔ وہ پڑھی لکھی نہیں تھیں، لیکن کمال فہم وفراست رکھتی تھیں۔ ان کی باتیں میرے لیے مشعل راہ ہیں۔ اپنی گفتگو کے دوران موقع کی مناسبت سے میں پنجابی کا جو محاورہ "پیڑاں ہور تے پھکیاں ہور" استعمال کرتا ہوں، یہ دراصل میری والدہ کا تکیہ کلام تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ''درد اور ہے، دوائیاں کچھ اور''۔ جب کوئی شخص ایک بات کرکے اس کے پردے میں کسی پرانی بات کا بدلہ اتارنے کی کوشش کرے تو یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔

والدہ صاحبہ مجھے اکثر یہ بھی فرمایا کرتیں: ''جوان اور گھوڑے کا کوئی وطن نہیں ہوتا، یہ جس طرف رخ کریں اِن کا وہی وطن ہے''۔ مَیں چھٹیوں میں گاؤں آتا تو ایک دن پہلے والدہ کپڑوں کی اُدھڑی سلائی اور ٹوٹے بٹن لگا دیا کرتی تھیں۔ پھر گندم اور چنے سے بنی پنجاب کی روایتی گزک، جسے "مرونڈا" کہتے ہیں، میرے لیے خاص طور پر بنائی جاتی۔ یہ بڑی سوغات ہوا کرتی تھی۔ چھٹیاں ختم ہو جاتیں تو میرا سفری بیگ اُٹھا کر مجھے بس کے اڈے تک چھوڑنے آتیں، مَیں اکثر منع کرتا کہ وہاں مرد حضرات وغیرہ ہوتے ہیں، آپ جا کر کیا

کریں گی؟ تو فرماتیں: مَیں دور بیٹھ جاتی ہوں، دیکھتی رہتی ہوں کہ اب میرا بیٹا گاڑی میں بیٹھ گیا ہے اور جب گاڑی آگے جا کر فلاں گاؤں کے قریب جا کر ہارن بجاتی ہے تو سمجھ جاتی ہوں کہ میرا بیٹا توت (آئل فیلڈ) پر پہنچ گیا ہے۔ یہ ہارن بجنے تک والدہ بس کے اڈے پر کھڑی رہتی تھیں۔

والد کے انتقال کے تقریباً دو برس بعد وہ بھی خالقِ حقیقی سے جاملیں۔ اُن کی یادیں میرے لیے اندھیرے میں چمکتے جگنو کی طرح ہیں۔ سوچتا ہوں کہ ایکسیڈنٹ میں میرے مفلوج ہونے کا دکھ اُنھیں لے بیٹھا۔ اگرچہ میرے سامنے کبھی اُنھوں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا، میرے سامنے وہ ہمیشہ ایک بہادر ماں کی طرح حوصلہ دلانے والی باتیں کیا کرتی تھیں، لیکن میں نے کئی بار کن انکھیوں سے اُنہیں آنکھ مسلتے دیکھا اور ٹھنڈی آہیں بھرتے سنا۔

حادثے کے بعد ایک بار میں نے والدہ سے کہا: آپ میرے لیے دعا نہیں مانگتیں؟ کہنے لگیں: مانگتی ہوں۔ مَیں نے کہا پھر قبول کیوں نہیں ہوئی؟ فرمانے لگیں: "جس لائن میں ہم لگے ہیں، اس میں آگے موجود مریض ہم سے زیادہ تکلیف میں ہیں، جب ان کا کام ہو جائے گا تو ہمارا بھی ہو جائے گا؛ ہمارا دکھ ان سے بڑا نہیں"۔ اس بات سے مجھے حوصلہ ملا۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی ماں کے گود سے ملا ہے۔ میری والدہ اٹھتے بیٹھتے ہر بات پر "صدقے یارسول اللہ" کہا کرتی تھیں۔ یہ جملہ میرے لاشعور میں بس گیا۔

حادثے کی تفصیل:

حادثے میں معذور ہو جانا میری زندگی کا ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ یہ حادثہ والد صاحب کے انتقال کے بعد 2009ء میں پیش آیا۔ بڑے بھائی امیر حسین گاؤں میں ایک مسجد تعمیر

کرار ہے تھے، میں اسی سلسلہ میں گاؤں جا رہا تھا۔ فجر کی نماز میں نے کلر کہار کے نزدیک بھیرہ کے مقام پر پڑھی۔ میرا دل اضطراب میں تھا۔ ایک سی این جی پمپ پر گاڑی رکوائی اور واش بیسن پر جا کر وضو کیا، یہ آخری بار تھی جب مَیں نے کھڑے ہو کر وضو کیا۔ ساتھ ہی مسجد تھی، مَیں نے ایک قدم مسجد کی طرف اُٹھایا کہ نفل پڑھ لوں، پھر سوچا کہ چلتی گاڑی میں نفل ہو جاتے ہیں۔ سی این جی سٹیشن سے کچھ آگے جا کر ایک موڑ کے نزدیک ڈرائیور کو اُونگھ آ گئی۔ اس موڑ سے گزرتے ہوئے مَیں آج بھی توبہ استغفار کرتا ہوں۔ وہ موڑ آیا تو مَیں نے دیکھا کہ ڈرائیور گاڑی سیدھی لے جا رہا ہے، ڈرائیور کو تیزی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا: " کیا کر رہے ہو؟"، بس یہ جملہ کہنے کی مہلت ہی مل سکی اور گاڑی نیچے جا گری۔ ڈرائیور کو کچھ ہوا نہ گاڑی کو نقصان پہنچا، دونوں سلامت رہے لیکن میرے سر میں شدید چوٹ لگی اور حرام مغز بُری طرح متأثر ہوا۔ اس کے نتیجے میں میرے جسم کا نچلا حصہ مکمل طور پر مفلوج ہو گیا۔ نچلا دھڑ اِس قدر مفلوج ہو گیا تھا کہ کوئی چٹکی بھی بھرتا تو احساس نہیں ہوتا تھا، اب محسوس کرنے کی قوت کافی حد تک بحال ہو چکی ہے۔ حادثے کے وقت میں دُرود شریف پڑھ رہا تھا، شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے میری جان بچا لی۔

حادثے کے بعد پہلا برس بہت مشکل سے گزرا۔ پانچ منٹ بھی مجھے نیند نہیں آتی تھی۔ دوائیاں بھی بے اثر رہتیں۔

برادرِ اکبر کی سر پرستی:

میری زندگی میں والدین کے بعد بڑے بھائی امیر حسین کا بڑا کردار ہے۔ انہوں نے باپ کی طرح میرا خیال رکھا۔ ان کی شفقت کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ میری

پڑھائی کے اخراجات وہی اٹھاتے ۔فیض آباد دھرنے کے دوران بھی اُنھوں نے قربانیاں دیں۔دھرنے کے اختتام پر انہوں نے اٹک کی تاریخ کا یادگار جلسہ کیا اور تمام شرکا کے لیے اپنی جیب سے کھانے کا اہتمام بھی کیا تھا۔

بچپن کی کچھ یادیں:

میرے بچپن اور لڑکپن کا ابتدائی دور اٹک اور جہلم کے درمیان منقسم ہے،جہلم میں پڑھ رہا تھا اور چھٹیاں اٹک میں اپنے گاؤں آ کر گزارتا۔اس دور سے کئی یادیں وابستہ ہیں۔ ان میں دو کا تعلق مجھے دوبارہ زندگی ملنے سے ہے۔

☆ چھٹیوں میں گھر جاتا تو اکثر گاؤں کے کنویں سے پانی بھرتا تھا۔کنویں پر پمپ نہیں تھا،کبھی بیل جوت کر اور کبھی ہاتھ کی مدد سے پانی نکالتا۔رات کا وقت تھا،اندھیرا تھا،مَیں نے پانی بھرنے کے لیے کنویں کی ڈور کھینچی اور کنویں کے اُوپر سے چھلانگ لگادی،لیکن پار نہ کرسکا اور اندر گر گیا۔اس دوران میں نے بلند آواز سے "اللہ" کہا۔کنویں میں ایک سوتر لڑ (لکڑی) ہوتی ہے۔جس نل کے ذریعے اُوپر پانی چڑھتا ہے،اس کے درمیان دو لکڑیاں ہوتی ہیں،اسی طرح ایک لکڑی کنویں کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ہوتی ہے۔ گرتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے مجھے اُٹھا کر کنویں کے اندر والی لکڑی پر بٹھا دیا ہے۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت تھی۔مَیں کنویں کی دیوار کے ساتھ ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ باہر نکل آیا۔اگر پانی سے بھرے گہرے کنویں میں گر جاتا تو پہلے گاؤں میں کہرام مچتا کہ کہاں چلا گیا؟ ہوسکتا تھا کہ کئی دن تک میرا پتا ہی نہ چلتا اور پھر لاش برآمد ہوتی ،لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔گھر جا کر جب میں نے یہ سارا قصہ سنایا تو کوئی یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

☆ اسی طرح گاؤں کے نالہ سیل میں ایک بار کافی پانی بھرا ہوا تھا۔ میں وہاں مویشیوں کو پانی پلانے گیا تو نہانے کا شوق ہوا، نہاتے ہوئے گہرے پانی میں ڈوبنے لگا، میرے ماموں زاد ممتاز نے چھلانگ لگا کر مجھے باہر نکالا، یوں دوسری بار میں موت کے منہ میں جاتے بچا۔

عملی زندگی:

1988ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے فارغ التحصیل ہوا۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے علاوہ احادیث بھی پڑھیں اور درسِ نظامی کا کورس بھی مکمل ہو چکا تھا۔ فارسی اور عربی پر کافی حد تک عبور حاصل ہو گیا۔

1993ء میں پنجاب کے محکمہ اوقاف میں شمولیت اختیار کی۔ داتا دربار، لاہور کے قریب واقع پیر مکی مسجد میں جمعہ پڑھایا کرتا۔ یہ ملازمت اب ختم ہو چکی ہے۔

ازدواج و اولاد:

برسرِ روزگار ہوتے ہی چچا زاد سے میری شادی ہوگئی۔ میرے دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ اولاد کو بھی دینی راہ پر چلایا ہے۔ بڑا بیٹا محمد سعد اور چھوٹا بیٹا محمد انس، دونوں حافظِ قرآن ہیں اور درسِ نظامی کا کورس کر رہے ہیں۔

اکابر کے اشعار کا مطالعہ:

مدرسے میں پڑھائی کے دوران ہی مَیں علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ اُن دنوں میرے زیرِ مطالعہ غیر نصابی کتب میں اقبال کا فارسی مجموعۂ کلام سرِ فہرست تھا۔ 1983ء میں کلیاتِ اقبال خرید لی تھی۔ یعنی نوعمری سے ہی میں نے اس قلندر شاعر کے افکار کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یوں کہہ لیں کہ اقبال کی روح نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ اگرچہ مدرسہ

میں فارسی پڑھی تھی، لیکن علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے فارسی کلام کو اس کی روح کے مطابق سمجھنے کے لیے مجھے فارسی کی بہت سی لغات خریدنا پڑیں۔ بعد ازاں علامہ اقبال کے مرشد مولانا روم علیہ الرحمہ کو بھی پڑھا اور اُن کا بیشتر کلام ازبر کرلیا۔ حافظ شیرازی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہما الرحمہ کی شاعری بھی پڑھی۔

اُردو کے شعرائے کرام میں اکبر الٰہ آبادی کی شاعری پسند آئی۔ ان کے زمانے میں ایک تھانیدار نے کوٹھی بنائی تھی۔ اس حوالے سے ہونے والی تقریب میں اکبر الٰہ آبادی کو بھی مدعو کیا گیا، تھانیدار کا اصرار تھا کہ نئی کوٹھی پر بھی ایک شعر ہو جائے۔ اکبر نے کہا کہ آپ کا سارا مزہ خراب ہو جائے گا۔ اصرار بڑھا تو اُنہوں نے یہ شعر سنا دیا:

یہ کوٹھی جو تم کو نظر آ رہی ہے — اور اپنی اداؤں پر اِترا رہی ہے
اگر اس کے گملوں کی خوشبو کو سونگھو — تو خونِ غریباں کی بُو آ رہی ہے

شوقِ مطالعہ:

پہلے مطالعہ کو بہت زیادہ وقت دیا کرتا تھا۔ گھر میں کیبل اور ٹی وی یا نیٹ نہیں تھا اور نہ ہے، صرف اخبار پڑھا کرتا تھا۔ تحریک کی مصروفیات بڑھ جانے کے سبب مطالعہ کا زیادہ وقت نہیں ملتا۔ سفرناموں کا بھی بہت شوق رہا۔ حکیم محمد سعید اور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کے تمام سفرنامے پڑھ ڈالے۔ تاریخِ اسلام کا مطالعہ بھی میری ترجیح تھی۔ اسلام کے سبھی سپہ سالار اپنی مثال آپ ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متاثر کیا۔ ان کے مزار پر حاضری ایک دیرینہ خواہش تھی، جو پوری ہوگئی۔

مزارِ سیف اللہ پر حاضری:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے ساتھ کاندھا لگا کر دو سنتیں اور تین وتر پڑھنے کی سعادت میسر آئی۔ ہوا یوں کہ جب ہم مزار پر پہنچے تو دروازہ بند کیا جا رہا تھا، وہاں قیام کا یہ آخری روز تھا، یعنی اگر اس دن مزار پر داخل ہونے سے رہ جاتے تو بغیر دیدار کے واپس آنا پڑتا۔ ہم دروازے پر پہنچے تو دریافت کیا گیا: ''کہاں سے آئے ہو؟'' ہم نے بتایا پاکستان سے۔ دروازے پر کھڑے شخص نے فوری دروازہ کھول دیا اور بولا: "سرکاری طور پر وقت ختم ہو گیا ہے لیکن آپ جلدی سے اندر جائیں"۔ یعنی غیر متوقع طور پر ہماری شکلیں دیکھ کر دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ آج بھی سوچتا ہوں کہ شاید سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ انتظار کر رہے تھے کہ ان کے مہمان آ رہے ہیں۔ مزار میں داخل ہونے کے بعد ہم نے گرم پانی سے وضو کیا اور پھر سنتیں پڑھیں۔ اندر داخل ہو کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور رونا بھی آیا۔ خوشی اس لیے کہ تاریخِ اسلام کے اتنے بڑے سپہ سالار کے سامنے مجھ جیسے بزدل شخص کی حاضری ہوئی، اور رونا اس لیے آیا کہ باپ خالد بن ولید اور بیٹے عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ تعالی عنہما کی قبریں ایک ساتھ تھیں، وطن کون سا تھا اور تدفین کہاں پر ہوئی؟

غازی ممتاز حسین قادری شہید کی گرفتاری:

پُرسکون زندگی گزر رہی تھی۔ درس و تدریس کے علاوہ دربار حضرت پیر مکی علیہ الرحمہ کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتا۔ غازی ممتاز حسین قادری علیہ الرحمہ کی گرفتاری اور پھانسی نے میری زندگی میں ہلچل پیدا کر دی۔ ممتاز قادری نے ایک گستاخِ رسول گورنر کو گولیاں مار کر مسلمانوں کا سر فخر سے بلند کر دیا تھا، لیکن اس عاشق رسول ﷺ کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ ہم

نے اُن کی رہائی کے لیے تحریک چلائی اور مظاہرے کیے۔

ٹھیکیدار نہیں چوکیدار:

ایک مظاہرے کے دوران پولیس نے مجھے گرفتار کرلیا۔ گرفتاری کے بعد جب مجھے لے جایا جارہا تو میری ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ایک پولیس افسر نے طعنہ دیا: کیا تم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ٹھیکے دار ہو؟ جب بھی تمہاری تقریر سنو تو ناموسِ رسالت پر بات کرتے ہو، تمہیں اور کوئی موضوع نہیں ملا؟ مَیں نے اس سے کہا: نبی ﷺ کے ٹھیکدار تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہیں تھے، اُنہوں نے بھی فرمایا تھا کہ لوگو! میرے پیچھے اس وقت تک چلنا جب تک میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چلوں۔ لہٰذا میں نبی ﷺ کا ٹھیکیدار نہیں چوکیدار ضرور ہوں۔ بعدازاں مجھے کوٹ لکھپت جیل پہنچا دیا گیا۔

غازی ممتاز حسین کا خط:

جیل سے رہا ہوا تو اگلے روز ممتاز قادری کا خط مجھے ملا۔ جمعہ کا روز تھا، نماز سے قبل ہی ممتاز قادری کے والد اور بھائی یہ خط لے کر آئے تھے۔ میں اِس خط کو اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ یہ بڑا طویل خط ہے، لیکن اس کا ایک جملہ قابل توجہ ہے۔ ممتاز قادری نے لکھا:

”مولانا! جب آپ کوٹ لکھپت جیل میں قید تھے تو میں آپ کے ساتھ تھا“۔

اس وقت تو مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ ممتاز قادری تو اڈیالہ جیل راولپنڈی میں ہیں اور میں کوٹ لکھپت جیل میں تھا، تو وہ میرے ساتھ کیسے ہو گئے؟ مَیں نے سمجھا کہ ممتاز قادری روحانی طور پر میرے ساتھ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سرد ترین موسم میں بھی جب جیل انتظامیہ نے مجھے ٹھنڈ سے بچنے کے لیے خاطر خواہ چیزیں نہیں دی تھیں، پھر بھی سلاخوں کے

پار سے سرد ہوائیں مجھ تک نہیں آرہی تھیں۔ اسی طرح مجھے یاد آیا کہ ایک رات مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ یکدم میرے دل میں خیال آیا کہ میری ٹانگیں بغداد شریف کی طرف ہیں، انھیں دوسری سمت میں کرلوں۔ ٹانگیں دوسری سمت کرتے ہی مجھے گہری نیند آ گئی۔ بعد میں مجھے خیال آیا کہ یہ ممتاز قادری تھے جنہوں نے میری ٹانگیں صحیح سمت میں کرائیں۔

محکمہ اوقاف سے برطرفی:

ناموسِ رسالت قانون کے تحفظ کے لیے چلائی جانے والی تحریک کے دوران محکمہ اوقاف، پنجاب کی طرف سے مجھے کہا گیا کہ مَیں یہ سلسلہ روک دوں، ورنہ ملازمت چھوڑنی پڑے گی۔ میرے انکار پر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ برطرفی کے بعد میرے پاس صوبائی خطیب آئے اور کہا کہ حکومت آپ کو پنشن دینے کے لیے تیار ہے اور چونکہ آپ معذور ہیں، لہٰذا پوری تنخواہ کے برابر پنشن ملے گی، جب کہ بڑے بیٹے کو محکمہ اوقاف میں ملازمت بھی دی جائے گی۔ میں نے کہا: اب کچھ نہیں چاہیے۔

غازی ممتاز حسین کی شہادت:

جب ممتاز قادری علیہ الرحمہ کو گرفتار کیا گیا تو ناموسِ رسالت قانون کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اُن کی رہائی کی تحریک بھی شروع کر دی۔ ریلیاں اور جلوس نکالے گئے، گرفتاریاں بھی ہوئیں۔ کچھ عرصہ بعد کورٹ نے ممتاز قادری کو پھانسی کی سزا سنا دی۔ پھر 2015ء کے اواخر میں پھانسی کی سزا کے خلاف اپیل بھی مسترد کر دی گئی۔ اب فیصلہ صدر کے پاس تھا کہ وہ اپیل مسترد کرتے ہیں یا منظور۔ اس دوران وزیرِ مملکت برائے مذہبی امور پیر امین الحسنات

شاہ کے ذریعے پیغام بھیجا گیا کہ ممتاز قادری کو پھانسی نہیں دی جائے گی۔ ہمیں سیکرٹریٹ بلایا گیا، وہاں ایک صوبائی وزیر اور آئی جی پنجاب کے علاوہ سابق آئی جی سندھ رانا مقبول بھی موجود تھے۔ ہمارے نمائندے یہ شعر پڑھتے تھے:

با خدا دیوانہ باش، با محمد ہوشیار

اور کہہ رہے تھے کہ عشق رسول ﷺ بڑا احساس مسئلہ ہے۔ اس پر کمپرومائز نہیں کیا جا سکتا۔ پیر امین الحسنات اور ان کے ساتھ جتنے لوگ موجود تھے اُن سب کا کہنا تھا کہ وزارتیں اور عہدے بعد میں ہیں، پہلے ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ ممتاز قادری کی پھانسی کے معاملے کو طوالت دی جائے گی اور پھر کچھ عرصے بعد رہا کر دیا جائے گا، لیکن اُن کے لہجے چغلی کھا رہے تھے اور مَیں سمجھ رہا تھا کہ یہ دو نمبری کر رہے ہیں تاہم مَیں خاموش رہا کہ اگر بولا تو اِن تمام کی پریشانی بڑھ جائے گی۔ مَیں اُن کی طرف دیکھتا تو وہ نظریں نیچی کر لیتے۔ بعد میں وہی ہوا جس کا کسی حد تک مجھے اندازہ ہو چکا تھا۔

صدرِ مملکت نے پھانسی کی پہلے سے موجود متعدد اپیلیں لٹکائے رکھیں، مگر ممتاز حسین قادری کی اپیل کا فیصلہ کرتے ہوئے اُسے مسترد کر دیا۔ یہ سراسر بدنیتی تھی۔ بالآخر اُنھیں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ دل پر بہت بوجھ تھا کہ ہم ہر طرح کی کوششوں اور قید کی صعوبتیں اُٹھانے کے باوجود ممتاز قادری کو نہ بچا سکے۔ ممتاز قادری کا جسدِ خاکی لایا گیا تو مَیں نے جا کر اپنی پگڑی اُن کے قدموں میں رکھ دی، چارپائی کو بھی کئی بار چوما اور کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ہماری شکایت نہ لگانا، ہم سے جو ہو سکا ہم نے کیا۔

غازی ممتاز حسین قادری کی استقامت:

ممتاز قادری علیہ الرحمہ اپنے اہل خانہ سے آخری ملاقات میں روئے نہیں، پھانسی گھاٹ کی طرف جاتے ہوئے بھی مسکرا رہے تھے۔ان کے والد نے بھی ایک آنسو تک نہیں بہایا، کہیں وہاں موجود مخالفین باہر جا کر یہ پروپیگنڈا نہ کریں کہ ممتاز قادری اوران کے والد آخری وقت ہمت ہار گئے۔ بیٹا چالیس روز کا بھی نہ ہو،اور باپ جیل چلا جائے، پھراسی پانچ سالہ بیٹے سے آخری ملاقات میں اُسے گلے لگا کر باپ مُسکرا دے۔یہی ممتاز قادری نے کیا۔علامہ اقبال کہہ گئے کہ انسان دلیر ہوتا ہی اس وقت ہے جب سینے میں محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہو۔

فیض آباد دھرنا کا پسِ منظر:

حکومت نے نہ صرف عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پھانسی دینے میں تیزی دکھائی، بلکہ انتخابی بل میں ترمیم کی آڑ میں ناموسِ رسالت قانون پر وار کرنے کی کوشش بھی کی۔یہی چیز ہمیں فیض آباد کے دھرنے پر لے گئی۔ ہمارا مطالبہ بڑا سادہ تھا کہ اس مذموم کوشش کے ذمہ داران کو کٹہرے میں لایا جائے،لیکن حکومتی ہٹ دھرمی نے معاملہ بگاڑ دیا۔

فیض آباد کے کچھ احوال:

فیض آباد دھرنے میں کنٹینر کے ساتھ جو خیمہ لگا تھا، اکثر میں اُسی میں سویا کرتا تھا۔ شروع کے چار، پانچ دن ٹرالر کے نیچے بھی سویا۔ ہر طرف سے سرد ہوا آتی تھی،لیکن اس سخت موسم میں جن کے لیے ہم یہاں آئے تھے،انہوں نے سرد ہوائیں محسوس نہیں ہونے دیں۔

جب ہر طرف شیلنگ ہو رہی تھی تو مجھے آنسو گیس کا دھواں بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

اکثر پوچھا جاتا ہے کہ دھرنے کے خلاف آپریشن کرنے والی پولیس پسپا کیسے ہوئی؟ یہ میں نہیں کہتا، لیکن لوگ کہتے ہیں کہ کچھ ہوا ضرور تھا۔ پولیس والوں کو میں نے بھاگتے دیکھا۔ میں نے اپنے ہمراہیوں سے پوچھا اِنہیں کیا ہوا ہے؟ کہنے لگے: پتا نہیں کیا ہوا ہے؟ مَیں تو لبیک یارسول اللہ کے نعروں کے ساتھ اُن پولیس والوں کو تلقین کر رہا تھا کہ آپ نے ہمیں مار بھی دیا تو ٹرمپ خوش ہوگا، کفر خوش ہو جائے گا، کہ لوگ ناموسِ رسالت کے لیے آئے تھے اور خود مسلمانوں نے اُن کو مار دیا۔

دھرنے کے دوران اس طرح کی بہت سی افواہیں چلیں اور پروپیگنڈا کیا گیا کہ ہمارے پیچھے فوج یا اسٹیبلشمنٹ ہے۔ واللہ! مجھ سے تو اس سلسلے میں کبھی کسی نے رابطہ نہیں کیا۔ دراصل یہ ساری باتیں ہماری تحریک کو متأثر کرنے کے لیے کی جا رہی تھیں۔ جب معاہدہ کے بعد دھرنا ختم کرنے کا اعلان ہوا تو مجھ سے ملنے جنرل فیض حمید میرے خیمے میں ضرور آئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری علامہ خادم حسین رضوی سے ملاقات تو کراؤ، وہ ہیں کون؟ جہاں تک دھرنے کی بات ہے، یہ ایک ایسا کام ہوگیا کہ مؤرخ بھی لکھتے ہوئے ہزار بار کانپے گا کہ نہتّے عاشقانِ رسول کے ہاتھوں ہزاروں مسلح سپاہی کیسے پسپا ہوئے۔

علامہ خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ (1966-2020)

رشحاتِ قلم: مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کے سچے محبّ، پاسبانِ ختم نبوت، محافظِ ناموسِ رسالت، مجاہدِ حرمتِ مقدّساتِ دین علامہ خادم حسین رضوی آن بان اور شان کے ساتھ جیے اور اُس سے بھی بڑی شان کے ساتھ عازمِ سفرِ آخرت ہوئے۔ جیے تو لبرلز کے سینے پر مونگ دلتے رہے، اُن کے دلوں میں چبھتے رہے، آنکھوں میں کھٹکتے رہے اور سفرِ آخرت پر چلے تو سب کو شرمسار کر گئے۔ سارے لبرلز زندگی میں اُنہیں کوستے رہے، دل کی بھڑاس نکالتے رہے، اپنی دانست میں اُن کے وڈیو کلپ نکال نکال کر عوام کے دلوں میں اُن کے وقار کو کم کرنے کی سعی کرتے رہے، لیکن اُن کی وفات کے بعد وہی لوگ عوام کے دلوں میں اُن کی بے پناہ محبت کے مظاہر دیکھ کر عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

فیضؔ نے شاید انہی کے لیے کہا تھا:

مرے چارہ گر کو نوید ہو، صفِ دشمناں کو خبر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر، وہ حساب آج چکا دیا
جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم، تجھے یادگار بنا دیا
کرو کج جبیں پہ سرِ کفن، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرورِ عشق کا بانکپن، پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

چونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی بارگاہ میں حضوری کے سفر پر

جا رہے تھے، اس لیے غرورِ عشق کا بانکپن نہیں تھا بلکہ بندگی کا عجز تھا، غلامی کی تواضع تھی، اپنے آقا کے حضور نیاز بھی اور اُن کی رحمت پر ناز بھی تھا۔ سر پر دستار سجی تھی، لبوں پر ہلکی سی تبسم کی کیفیت تھی۔ لوگوں کو گلہ رہتا تھا کہ علامہ خادم حسین رضوی کے چہرے پر ہمیشہ کرختگی اور غیظ وغضب کی کیفیت طاری رہتی ہے، یہ کیفیت دراصل گستاخانِ رسول کے لیے تھی، دشمنانِ دین کے لیے تھی، اُن کا چہرہ اُن کی قلبی کیفیات کا آئینہ دار تھا، ظاہر و باطن ایک تھا، اُن کی عقائد ونظریات میں منافقت، ریا اور باطل سے مفاہمت کا شائبہ تک نہ تھا۔ دنیا والوں سے بے پروا رہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرّم ﷺ سے لَو لگائے رہے، اُن کے ناقدین کو کیا خبر کہ انہوں نے اپنا تبسّم کسی اور مرحلے کے لیے بچا رکھا تھا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم　　　چوں مرگ آید، تبسّم بر لبِ اُوست

ترجمہ: اے مخاطَب! تجھے مردِ مومن کی نشانی بتاتا ہوں، جب موت کا وقت آتا ہے تو اُس کے لبوں پر تبسم آمیز کیفیت ہوتی ہے۔

علامہ یحیٰ بن شرف الدین نووی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: رِبعی بن حِراش جلیل القدر تابعی تھے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اُن کا وصال ہوا، زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، انہوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ اپنا انجام معلوم ہونے تک ہنسیں گے نہیں، سو زندگی بھر نہ ہنسے، مگر جب وفات پائی تو اُن کی میت کو غسل دینے والے نے کہا: "وہ مسلسل اپنے تخت پر مسکراتے رہے اور ہم انہیں غسل دیتے رہے اور یہ کیفیت آخر تک جاری رہی، اُن کی اس کیفیت کو دیکھ کر اُن کے بھائی ربیع نے بھی ایسی ہی قسم کھائی اور ایسی ہی قابلِ رشک موت انہیں نصیب ہوئی۔" (شرح النووی علیٰ مسلم، ج:1، ص:66)

مولانا آسی غازی پوری نے کہا تھا:

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ

ہے شبِ گور بھی اُس گل سے ملاقات کی رات

امام احمد رضا قادری نے بحرِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی گہرائیوں میں ڈوب کر کہا:

جان تو جاتے ہی جائے گی، قیامت یہ ہے

کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت

میری گردن میں بھی ہے، دُور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں، نہیں مارے جاتے

حشر تک میرے گلے میں رہے پٹّا تیرا

ہماری یہ باتیں دیوانوں کی باتیں ہیں، عقل کے پرستار اِسے نہ پڑھیں، اُن کی صحت پر شاید اچھا اثر مرتب نہ ہو۔

حال ہی میں ایک یوٹیوب چینل کے لیے ایک انٹرویو میں مجھ سے سوال ہوا: علامہ خادم حسین رضوی کے بارے میں کہا جاتا ہے یہ پلانٹڈ تھے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے جواب میں عرض کیا: "پلانٹڈ کے معنی ہیں کسی کا کاشت کیا ہوا پودا، کسی کی جانب سے اپنے ایجنڈے پر لانچ کیا ہوا فرد"۔ الغرض ہمارے ہاں بدگمانی اور بدنیتی کا شعار عام ہے، سو میرا سوال یہ ہے: اگر علامہ خادم حسین رضوی جیسے شاہکار کسی ٹکسال میں ڈھلتے ہیں یا کسی ادارے کی جانب سے پلانٹ کیے جاتے ہیں، تو آپ کی مشینیں اور ٹکسال بند تو نہیں ہوگئے، ایسا کوئی شاہکار دوسرا پیدا کر کے دکھائیے اور پھر اسے ملک کے اندر اور

بیرونِ ملک کروڑوں انسانوں کے دلوں میں بٹھا کر دکھا دیجیے، ہم آپ کی کرامت یا کرشماتی کمال کو تسلیم کر لیں گے۔

مسیحائی اور مُردوں میں جان ڈالنے کا معجزہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اور اس سے بھی آگے بے جان میں جان ڈالنے کا اعجاز خاتَمُ النَّبِیّٖن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔ البتہ اگر ہم نادانوں کی بات پر کسی کو یقین آتا ہو تو ہمارا ایمان ہے: ایسے اشخاص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی جانب سے اپنے نوامیسِ مقدسہ اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجے جاتے رہے ہیں اور بھیجے جاتے رہیں گے۔ میری نظر میں علامہ خادم حسین رضوی ایسے اشخاص میں سے ایک تھے جو روز روز پیدا نہیں ہوتے۔

مفتی عابد مبارک راوی ہیں: علامہ خادم حسین رضوی کے جواں عمر صاحبزادے اور تحریک لبیک کے نومنتخب امیر حافظ سعد حسین رضوی نے بتایا: علامہ صاحب اپنے وصال سے کچھ پہلے کافی دیر تک اپنے تمام تر ہوش وحواس کے قائم رہتے ہوئے اُن سے باتیں کرتے رہے، اُس وقت انہیں شدید بخار تھا۔ سعد حسین رضوی بیان کرتے ہیں: مَیں نے باتوں کے دوران کہا: اباجی! ہم دونوں خاموشی سے مدینہ منورہ چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے پنجابی میں اپنے فرزند سے کہا: "جھلّیا! (دیوانے) تینوں ہوش اے، مَیں کس منھ دے نال حضور دی بارگاہ وِچ جانواں گا، جے مَیں زندہ آں تے حضور دی گستاخیاں ہوریاں نیں"۔ پھر باپ نے بیٹے سے کہا: "میں تیری شادی دی تاریخ دسمبر وچ مقرر کر دتّی اے، پر میں تیرا نکاح آپ نئیں پڑھانڑاں، میں کسی مولوی صاب کولوں پڑھاواں گا، اپنڑی ماں نو آکھیں: لفافہ بھاری جیا تیار کر کے رکھے"۔ اور واقعی وہ اپنے بیٹے کا نکاح نہ پڑھا سکے۔ اُن کی پیشگوئی کے مطابق کوئی اور ہی پڑھائے گا۔ سعد بیان کرتے ہیں: پھر والد نے کہا: "مجھے

رضائی اوڑھا دو اور بتی بند کر دو"، اتنے میں انہوں نے جھرجھری لی، چہرہ قبلے کی طرف ڈھلک گیا اور روح پرواز کر گئی۔ **فَاِنّـا لِـلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ، اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعۡطٰی وَ کُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّٰی.**

انہوں نے خود اپنے ایک خطاب کے دوران کہا :

جب روح میرے پیراہنِ خاکی سے نکلی

تو روضے سے آواز آئی: او میرا فقیر آیا

علامہ خادم حسین رضوی، مولانا محمد علی جوہر کے اس شعر کا مصداق تھے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

انہوں نے اپنے ایک خطاب میں معترضین کو جواب دیتے ہوئے کہا:" منافق کسی حال میں راضی نہیں ہوتا، مولوی حق کے لیے نہ نکلے تو کہتے ہیں: حرام خور ہو گیا اور نکلے تو کہتے ہیں: حلوہ خطرے میں پڑ گیا اور جب کامیابی ملتی ہے تو کہتے ہیں: اکیس کروڑ روپے لے لیے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی ساری متاعِ زیست بارگاہِ رسالت میں لا کر پیش کر دی، تو منافقین نے اُسے ریاکاری سے تعبیر کیا اور حضرت ابو عقیل انصاری شب بھر مزدوری کر کے دو کلو لے کر آئے تو منافقین نے کہا: اللہ کو اس حقیر صدقے کی کوئی حاجت نہیں ہے"۔ آگے پتا چل جائے گا:

ہم سوئے حشر چلیں گے شہِ ابرار کے ساتھ

قافلہ ہو گا رواں قافلہ سالار کے ساتھ

یہ تو طیبہ کی محبت کا اثر ہے ورنہ

کون روتا ہے لپٹ کر در و دیوار کے ساتھ

میں نے اُن کے سوم کی محفلِ ایصالِ ثواب میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا تھا: ''علامہ خادم حسین رضوی دنیاوی رشتوں کے حوالے سے میرے کچھ نہیں تھے، لیکن دینی رشتے کے حوالے سے میرا سب کچھ تھے۔ میں تحریک لبیک پاکستان کا کبھی رکن نہیں رہا، مگر امیر المجاہدین علامہ خادم حسین رضوی اپنی تحریک سمیت میرے قلب میں رچے بسے رہے... میں آج لاکھوں انسانوں کو گواہ بنا کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں شہادت دیتا ہوں کہ خادم حسین رضوی نے اپنی بساط کے مطابق حسینی کردار کو زندہ کیا، نوجوانوں کے دلوں میں، انگ انگ میں، رُوئیں رُوئیں، ہر بُنِ مُو اور ہر قطرۂ خون میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو کُوٹ کر بھر دیا اور ایک ایسا روحانی کرنٹ دوڑا دیا کہ آنسو گیس کے گولوں کا ڈھیر بھی اُن کے عزم کو نہ توڑ سکا اور اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی''۔

علامہ صاحب پر ایک نکتہ چینی اُن کے بعض ریمارکس کے بارے میں ہوتی تھی، جن کے بارے میں اُن کا کہنا تھا: میرے پاس قرآن وحدیث سے منکرین ومنحرفین کے بارے میں جواز کے دلائل موجود ہیں۔ مَیں نے ایک ملاقات میں ان سے عرض کیا: یہ دلائل ہمارے اکابر کے پاس بھی تھے، لیکن انہوں نے مخالفین کے بارے میں کبھی ایسا اندازِ بیاں اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ 2018ء کے دھرنوں کے بعد انہوں نے یہ اندازِ بیاں ترک کر دیا۔ میں نے رب کریم کا اور ان کا شکر ادا کیا۔ مخالفین اب بھی وقتاً فوقتاً سوشل میڈیا سے ایسی باتیں نکال کر لے آتے ہیں، مگر شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی کی وفات کے بعد اس کا ذکر صرف اچھے اوصاف کے ساتھ کرنا چاہیے، کردار کی پاکیزگی کے لیے اتنا ہی ثبوت کافی ہے کہ اس مردِ درویش نے، جس پر لوگ ہزاروں لاکھوں روپے نچھاور کرتے تھے، مسجد کے تین مرلے کے مکان میں ساری زندگی گزاری اور رب کی رضا پر راضی رہے۔

علامہ خادم حسین کے ساتھ طویل رفاقت کی کچھ یادیں

بقلم مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر فضل حنان سعیدی مدظلہ، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مَیں نے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں 1976ء سے حصولِ علم کا آغاز کیا اور امیر المجاہدین شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ 1981ء میں جامعہ میں تشریف لائے۔ مَیں دو سال کے لیے کراچی چلا گیا، میری واپسی پر مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ اور قبلہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے اُسی درجہ میں بیٹھنے کا حکم فرمایا جس میں امیر المجاہدین شامل تھے۔ تعمیلِ حکم کرتے ہوئے اُسی کلاس میں بیٹھ گیا۔ یوں 1985ء سے میری اور مولانا خادم حسین رضوی کی باہمی رفاقت کا آغاز ہوا۔

☆ قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے مجھے فنون کی منتہی کتب پڑھنے کا حکم دیا، اس سلسلے میں میرا ساتھی کوئی نہیں تھا، چنانچہ میں اکیلا ہی شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کے پاس فنون کی یہ کتب پڑھنے لگا۔

☆ 1988ء میں جب ہم دورۂ حدیث شریف کی کلاس میں پہنچے تو ہمارے باہمی تعلقات میں مزید اضافہ ہوا۔ ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ اِسی سال قبلہ مفتی صاحب اور استاذ حافظ صاحب نے ہماری کلاس کو حکم فرمایا کہ شیخوپورہ جا کر جامعہ نظامیہ رضویہ، شیخوپورہ کی عظیم الشان عمارت کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے زمین کی کھدائی کریں۔ یوں قبلہ مفتی صاحب اور استاذ حافظ صاحب کی معیت میں کھدائی سے جامعہ کی تعمیر کا آغاز ہوا۔

☆ دورۂ حدیث شریف کے دوران شرفِ ملت علیہ الرحمہ ہمیں روزانہ قصیدہ بردہ شریف کے دو یا تین اشعار پڑھایا کرتے تھے، علامہ خادم حسین علیہ الرحمہ نے اِسی سال پورا قصیدہ

حفظ کرلیا تھا اور فراغت کے بعد تو وہ با قاعدہ طور پر اعلیٰ حضرت بریلوی، علامہ محمد اقبال اور مولانا روم علیہم الرحمہ کے اشعار یاد کیا کرتے تھے۔

☆ دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد مجھے گلبرگ کے ایک جامعہ میں تدریس کی ذمہ داری سونپی گئی، جب کہ مولانا خادم حسین رضوی کسی مصروفیت کی بنا پر ابھی تدریس کا آغاز نہ کر سکے۔ 1990ء میں قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے حکم پر ہم دونوں نے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریس کا آغاز کیا۔ معمول یہ تھا کہ ہم دونوں اسباق سے فراغت کے بعد نمازِ ظہر یہیں جامعہ میں ادا کرتے۔ نماز کے بعد طلبا کو صرف ونحو کا اجرا کراتے۔ نمازِ عصر کے قریب اکٹھے جامعہ سے روانہ ہوتے اور نمازِ عصر کبھی مسلم مسجد میں ادا کرتے، کبھی کسی دوسری مسجد میں۔

☆ 1988ء سے پہلے اور اس کے بعد ہم دونوں جمعیت علمائے پاکستان کے اجلاسوں اور جلسوں میں شریک ہوتے۔ مولانا خادم حسین رضوی مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی اور امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد نورانی علیہما الرحمہ سے بہت متأثر تھے۔ اُن کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک ڈائری رکھتے تھے اور مجاہدِ ملت اور امام نورانی کے اقوال اپنی ڈائری کی زینت بناتے، بعدازاں اپنی تقاریر میں ان اقوال کے حوالے بھی دیا کرتے۔

☆ اُن کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ ہر اہم معاملے میں مشورہ کرتے اور پھر مفید مشوروں پر عمل بھی کیا کرتے۔ اِسی طرح خریداری کے لیے جانا ہوتا تو ہم اکٹھے ہی جاتے اور میری پسند کو ترجیح دیتے۔

☆ اُن میں خدمتِ دین کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک بار میں نے اُنہیں گزارش کی کہ ہم نے پولیس لائن، لاہور میں پولیس کے جوانوں کی دینی تربیت کے لیے نمازِ

ظہر کے بعد روزانہ ایک گھنٹہ کی نشست کا اہتمام کیا ہے، آپ اُس میں گفتگو کرنے کے لیے تشریف لایا کریں۔ چنانچہ وہ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک مسلسل تشریف لاتے رہے اور جوانوں کو عقائدِ اہل سنت کے حوالے سے راہ نمائی فراہم کرتے رہے۔

☆ امیر المجاہدین مولانا خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کی کامیابیوں کے پیچھے جن شخصیات کی محنت ہے اُن میں آپ کے شیخِ طریقت حضرت مولانا عبدالواحد المعروف حاجی پیر صاحب علیہ الرحمہ، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ، شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ، استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا رشید احمد علیہ الرحمہ اور جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی دامت برکاتہم العالیہ کے اسمائے مبارکہ سرِ فہرست ہیں۔ مولانا خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ نے جو اخلاص اور مقصد کی لگن اپنے شیخ گرامی اور اپنے اساتذہ میں دیکھی، اُسی کو اپنایا اور اللہ رب العزت نے اُنہیں کامیابیوں سے ہمکنار فرمایا۔

☆ مولانا خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کی شروع سے ہی خواہش تھی کہ اہلِ سنت و جماعت کا باہمی اتحاد ہو جائے۔ اس بارے میں بکثرت مجھ سے بھی اپنے درِ دل کا اظہار کرتے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عقیدۂ ختمِ نبوت اور تحفظِ ناموسِ رسالت ہی وہ نکات ہیں جن پر تمام اہلِ سنت متفق ہو سکتے ہیں، چنانچہ انھوں نے اسی پیغام کو اپنا مشن بنایا، محنت کی اور یہ اُن کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ اللہ رب العزت نے اُنہیں مختصر وقت میں شاندار کامیابی عطا فرمائی۔

☆ 2009ء میں جب مولانا خادم حسین صاحب علیہ الرحمہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تو وہ بہت علیل اور پریشان رہتے تھے اور دواؤں کے اثر سے اُنہیں نیند بھی نہیں آتی تھی۔ اس دوران

مَیں بھی اُن کی تیمارداری کے لیے جاتا،لیکن قبلہ حافظ صاحب مدظلہ العالی کی اُس موقع پر سرپرستی اُن کے لیے ایک نئی زندگی کا سبب بنی۔آپ کثرت سے اُن کے پاس تشریف لے جاتے اورانہیں تسلی دیتے اورفرماتے:ان شاءاللہ تعالیٰ تم ٹھیک ہوجاؤ گے۔

حادثے کے بعد جب اُن کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تو میری کوشش تھی کہ وہ جلد دوبارہ سے دینی مصروفیات اختیار کریں تاکہ اُن کی ذہنی ونفسیاتی کیفیت مزید بہتر ہو۔ چنانچہ مَیں مسلسل اُن کے پاس جاتا رہا اوراُنھیں جامعہ میں تدریس بحال کرنے پرآمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہا،حتیٰ کہ اُنھیں پیش کش کی کہ جامعہ میں آپ کے لیے لفٹ کاانتظام کردیا جائے گا،وہ کسی حدتک آمادہ تو ہوئے مگرابھی مکمل طور پر تیارنہیں تھے۔پھرمَیں نے استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث قبلہ حافظ صاحب سے گزارش کی کہ آپ اُنھیں تدریسی سلسلہ بحال کرنے کاحکم دیں،خواہ وہ صرف دورۂ حدیث شریف کا پیریڈ ہی پڑھائیں۔چنانچہ میری درخواست پراستاذ گرامی نے اُنھیں حکم دیا اوروہ جامعہ میں دوبارہ شیخ الحدیث کے منصب پرفائز ہوئے۔

☆ تحریکِ لبیک پاکستان کے قیام کے بعدبھی جب اُنہیں کوئی مشکل پیش آئی تو جامعہ نظامیہ رضویہ،مجلس علماء نظامیہ پاکستان اورتنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان نے اُن کی بھرپورحمایت کی۔مفتیٔ اہل سنت مفتی منیب الرحمٰن ہزاروی مدظلہٗ تنظیم المدارس کی نمائندگی کرتے ہوئے ہرموقع پراُن کی تائیدفرماتے،اِسی طرح جامع المعقول والمنقول مولانا حافظ محمدعبدالستارسعیدی جامعہ نظامیہ رضویہ اورمجلس علماءِ نظامیہ پاکستان کی طرف سے ہرموقع پرترجمانی فرماتے۔

☆ عقیدۂ ختمِ نبوت کے بارے میں حلف نامے میں تبدیلی کرنے والوں کے خلاف کارروائی کے لیے تحریک لبیک نے جو فیض آباد میں جو پہلا دھرنا دیا اُس کے اختتام پر ملک کی تمام ایجنسیاں: آئی۔بی۔، ایم۔آئی۔، آئی۔ایس۔آئی۔، لاہور پولیس اور سپیشل برانچ کے افسران وسربراہان امیر المجاہدین کے جامعہ نظامیہ رضویہ طویل المدتی تعلق کے سبب جامعہ کے سربراہ صاحب زادہ علامہ محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی سے مسلسل رابطہ کرتے رہے، امیر المجاہدین پر الزامات تھے کہ یہ کسی بیرونی ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں یا انھیں خفیہ لوگ فنڈنگ کررہے ہیں، اِن الزامات کی تحقیق کے لیے صاحبزادہ صاحب سے معلومات طلب کرتے رہے۔ اس موقع پر صاحبزادہ صاحب نے نہایت دانشمندی اور حکمتِ عملی سے امیر المجاہدین پر لگنے والے جھوٹے الزامات کا پردہ چاک کیا اور افسرانِ بالا کو یہ باور کرایا کہ وہ ہرگز کسی بیرونی طاقت کے آلہ کار نہیں اور نہ ہی اُنھیں کسی خفیہ ذریعہ سے فنڈنگ ہورہی ہے، اُن کی کاوشیں محض ایمانی جذبات کی بنیاد پر ہیں اور اُن کا مقصد تحفظِ ناموسِ رسالت اور تحفظِ عقیدۂ ختمِ نبوت ونفاذِ اسلام ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں امیر المجاہدین مولانا خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

الشیخ خادم حسین الرضوی ......

الذابّ عن النبی ﷺ

الدکتور حمزۃ بن علی بن المنتصر الکتانی

حفید الامام محمد بن جعفر الکتانی

فـجعتُ اللیلۃَ بنبأ الوفاۃ المفاجئۃِ، للإمام العلامۃ شیخ الحدیث فی باکستان، الـذابّ عـن الـنبـی ﷺ، المبتلٰی فی حبِّہٖ علیہ السلام، الشیخ خادم حسین الرضوی البریلوی، أحد أبرز علماء باکستان، ورئیس حزب: "لبیک یا رسول اللّٰہ"، الذی وافتہ المنیۃ الیوم (مساء یوم الخمیس فی ۳ من شھر ربیع الثانی ۱۴۴۲ھـ/الموافق لـ19 من نوفمبر 2020م)

کان الشیخ - رحمہ اللہ تعالی - محدثا، ومدرِّسًا، وداعیۃ، وصاحبَ وعظٍ مؤثِّرٍ، یحافظ طیلۃ حیاتہ علی السنۃ النبویۃ، ویردُّ علی أعداء الرسالۃ -علی صاحبھا الصلاۃ والسلام- ولا یخاف فیہ لومۃَ لائمٍ، فقد أوذی وسجِّن، وبالرغم من ذلک، وبالرغم من إقعادہ علی کرسی متحرک، فلم یتزحزح عن باب اللّٰہ تعالی وباب رسولہ علیہ السلام......

ھـذا الشیخ صاحب حال ندر فی وقتنا، وھو مزید الاستغراق فی النبی ﷺ، ومحبتہ، وتربیۃ المریدین والأتباع علی ذلک، ممن أشرب

قلبُه ولحمُه ودمه وشعره بمحبة رسول اللّٰه ﷺ، حسا ومعنى، قولا وفعلا، التزاما وجهادا. فقد أفنى حياته في نشر سنة رسول اللّٰه ﷺ، والدفاع عنها، والدفاع عن شخص رسول اللّٰه الكريم، سواء في وجه من أساؤوا لمقام النبوة الشريف في بلاده، وخارجها، وكانت له مواقف عظيمة في هذا الباب.

وآخر مواقفه: المسيرات المليونية التي حشدها الأسابيع الأخيرة، استنكارًا على إساءة الحكومة الفرنسية، ورئيسها إمانويل ماكرون - عليه من اللّٰه ما يستحق -، والتي كانت من أقوى المظاهرات والمسيرات على مستوى العالم الإسلامي، دعت لمقاطعة المنتوجات الفرنسية، بل لطرد السفير الفرنسي وإغلاق السفارة الفرنسية.

لقد كان للإمام الفقيد دورٌ عظيم في توعية الأمة الباكستانية بالخصوص، والمسلمين عموما، بمقدار النبي ﷺ شرفا، ومكانة، وقدرا، فداه أبي وأمي، وسد فراغا عظيما في هذا الميدان، بحيث يعتبر -عليه رضوان الله تعالى - ظاهرة ملفتة في هذا الميدان في عصره، أمام صمت وذل، وانحراف جل المنتسبين للعلم والدين والحركة الإسلامية، خاصة في بلدنا السعيد، ممن لا تحمر أنوفهم، ولا تنتفخ أوداجهم، غيرة على رسول الله ﷺ، ولا يقومون بواجبهم من تأطير الناس وتوعيتهم، بمكانة خير خلق الله تعالى وخاتم الأنبياء والمرسلين، سيدنا محمد بن عبد الله عليه أفضل الصلاة والتسليم، والغضب والتشنيع على من يسيء

إلى مقامه الشريف.

قبل يومين رجع الإمام الرضوى من إسلام أباد إلى لاهور، بعد مذاكرات مع الحكومة الباكستانية، اتفقوا فيها على إخراج السفير الفرنسى من البلاد، كتعبير صارخ وقوى على غضبهم ورفضهم لموقف الحكومة الفرنسية من تبنى الإساءة لمقام مولانا رسول الله ﷺ...... غير أن الجميع تفاجأ بوفاته المفاجئة، التى بعثت شكوكا حول أسبابها، ويرجعها البعض لكونه أصيب بالتهاب رئوى حاد...الإمام الرضوى - رحمه الله تعالى ورضى عنه -، توفى وهو لما يتجاوز الثالثة والخمسين من عمره...وكان جنازته من أعظم جنائز العصر.

عرفته منذ سنوات فى هذا العالم الأزرق، وأدهشتُنى فصاحته العربية، وقوته، ومواقفه المشرفة فى الدفاع عن رسول الله ﷺ، وخطبه القوية و المؤثرة والشديدة، وجماله وهيبته، واستنارة وجهه، وثقته الممزوجة بالقوة والابتسامة، وبداهته، وشدته فى الحق، وأحببته حبا كبيرا، خاصة مع معرفتى أنه من أتباع مدرسة الإمام أحمد رضا خان البريلوى، الذى كان من أعظم المتعشقين فى رسول الله ﷺ، وكانت تربطه روابط حميمة بجدى الإمام أبى عبد الله محمد بن جعفر الكتانى الحسنى رضى الله تعالى عنه.

وقد أخبرنى بعض أتباعه من علماء باكستان، أنه ناوله كتاب: "نصيحة أهل الإسلام بما يدفع عنهم داء الكفرة اللئام"، لجدى

شيخ الإسلام محمد بن جعفر الكتانى، وأنه كان معجبا كثيرا بالكتاب، ويخطب بفقراته التى يترجمها للغة الأوردو فى الكثير من خطبه، كما أن بين المدرسة البريلوية وبين المدرسة الكتانية محبة قديمة، واشتراك فى مسألة تعظيم النبى ﷺ والاستغراق فيه عليه الصلاة والسلام .

وقد قام علماؤهم بترجمة وإعادة طبع مجموعة من كتب الكتانيين فى باكستان؛ كترجمتهم لكتاب "الرسالة المستطرفة فى مشهور كتب السنة المشرفة "، لشيخ الإسلام محمد بن جعفر الكتانى، وكتابى "التراتيب الإدارية فى الحكومة النبوية"، و"التآليف المولدية"، كلاهما لحافظ الإسلام السيد عبد الحى بن عبد الكبير الكتانى، وإعادة طبعهم لكتابى: "روضات الجنات فى مولد خاتم الرسالات"، و"يواقيت التاج الوهاج فى قصة الإسراء والمعراج "؛ كلاهما للإمام أبى الهدى محمد الباقر بن محمد بن عبد الكبير الكتانى...

لقد انهد صرح من صروح الإسلام بوفاة هذا الإمام الجليل، وحق للمؤمنين البكاء والحزن والعويل والسقام. فرحم الله الفقيه الغالى، وأسكنه فسيح جناته، وتقبله فى الشهداء ، وجعل النبى ﷺ شفيعه، أتعازى لأسرته ومحبّيه وحزبه وجماعته، باسمى وباسم أسرتى ومن ينتمى إلىّ، ولا نقول إلا ما يرضى اللّٰه تعالى. لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، وإنا للّٰه وإنا إليه راجعون...

عمرها در کعبه و بت خانه می نالد حیات

صاحبزادہ ڈاکٹر خضر حیات نوشاہی
سجادہ نشین حضرت نوشہ گنج بخش، ضلع منڈی بہاؤ الدین

عمرها در کعبه و بت خانه می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید برون

در عصرِ حاضر یکی از عشاقِ مصطفی علیہ التحیۃ والتسلیم کہ مقامِ تخصص دارد، و از بارگاہِ الٰھیہ درجۂ بلند یافت شد رواں علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ است کہ بر صفحۂ زیست نقشِ زرین رقم کرد۔

حضرت علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللّٰہ علیہ در عشقِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی گذاشت، دریں زمینہ ہیچ دقیقہ فرونگذاشت، و یک دنیا بچشمِ ظاہر دید کہ ربّ العزت ایشان را بوقتِ رُخصت ازین دارِ فنا چہ عزت عطا فرمود۔

در مسئلۂ ختمِ نبوت و ناموسِ رسالت امتِ مسلمہ خصوصًا ملتِ پاکستان را بیدار کرد و ولولۂ تازہ بخشید، از جرأت گفتارش در و بامِ مخالفین می لرزد۔

از علومِ قرآن و حدیث و تعلیماتِ اسلامیہ بهره وافر یافته بود، نیز از افکار و کلامِ اقبال کلامش مرصع بود، همیں سبب بود که تقریرِ ایشان بسیار مؤثر بود، حاضرین را در حصارِ گفتگو چنان می بستند که همه سامعین مسحور و مسرور می شدند۔

در حقیقت ایمان و ایقانِ ایشان در عشقِ مصطفیٰ علیه التحیة والثناء رنگین بود، که همیشه در زبانِ ایشان ظاهر میشود، و تاثیرِ بیانِ ایشاں در قلب و روحِ سامعین اثر میکرد۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاك طینت را

دِگر دانائے راز آید کہ ناید

تحریر: آبروئے صحافت اوریا مقبول جان صاحب، بشکریہ روزنامہ 92(21-11-2020)

لوگوں کے دلوں کو آتشِ عشقِ رسول ﷺ کی گرمی سے زندہ کرنے والا حدی خوان چلا گیا، وہ جس نے برسوں بعد اِس پژمردہ قوم کی خاکستر میں سیدالانبیاء ﷺ سے محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو روشن چراغ بنایا۔

میری زندگی میں عشقِ رسول ﷺ کے تین بڑے حوالے ہیں: ایک میرے والد محترم، دوسرا اقبال اور کلامِ اقبال اور تیسرا علامہ خادم حسین رضوی۔ اِن تینوں میں کلامِ اقبال مشترک ہے۔ کون اب قلندرِ لاہوری پکارتے ہوئے اقبالؔ کے شعروں سے دلوں کو گرمائے گا؟ حرمتِ رسول ﷺ کی نگہبانی کے لیے کس کی زبان تلوار بنے گی اور کس کا جوش وولولہ دلوں کو زندہ کرے گا؟

اس مملکتِ خداداد پاکستان کے اُفق پر اِس سورج کے طلوع ہو کر غروب تک کے صرف چند سال ہیں، لیکن اِن چند سالوں میں اِس افق پر اُبھرنے والی یہ وہ شفق ہے جس کی لالی تادیر دلوں میں زندہ رہے گی۔

اللہ نے علامہ خادم حسین رضوی کو ایک ایسے دور میں اس پژمردہ وافسردہ قوم کو زندہ کرنے پر مامور کیا، جو اُمتِ مسلمہ کے سب سے بڑے مجرم پرویز مشرف کا دور تھا اور پوری دنیا حدیثِ رسول ﷺ کے مصداق بھیڑیوں کی طرح اُمت کی بھیڑوں پر ٹوٹ پڑی تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق تو بہت دُور کی بات تھی، اللہ کے دین سے وابستگی کا اظہار بھی جرم بن چکا تھا۔ گزشتہ صدی میں مسلمانوں پر مظالم کی اگر تاریخ مرتب کی جائے تو مشرف اور عالمی منظر

پر چھائی قوتوں کے مظالم کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ پاکستان میں یہی دور تھا جب صدیوں سے توہینِ رسالت کے مسلمہ اُصولوں کو چھیڑنے کا آغاز ہوا۔ میدانِ سیاست میں اس کو آمر اور ڈکٹیٹر کہنے والی پارٹیاں بھی اس معاملے میں اس کی ہمنوا تھیں۔ عافیہ صدیقی سے لال مسجد کے قتلِ عام، ملا عبدالسلام ضعیف سمیت چھ سو آزاد مسلمانوں کو امریکہ کے حوالے کرنے سے لے کر پاکستانی ہوائی اڈوں سے ستاون ہزار امریکی طیاروں کی افغان مسلمانوں پر بم برسانے والی پروازوں تک، یہ سب کچھ یہ قوم خاموشی سے دیکھ رہی تھی اور برداشت بھی کرتی چلی آرہی تھی۔ تعلیمی ادارے الحاد کی فیکٹریاں بن چکے تھے۔ انسانی حقوق کے نام پر مغرب زدہ این۔ جی۔ اوز۔ زادے اور زادیاں اُمت سے اس کی آخری متاع "عشقِ رسول ﷺ" بھی چھیننا چاہتے تھے۔ یہ لوگ کسی بھی گروہ، سیاسی پارٹی یا عقیدے سے تعلق رکھتے تھے، مگر حرمتِ رسول ﷺ کے معاملے میں پرویز مشرف، سلمان تاثیر اور عاصمہ جہانگیر کی طرح ایک دوسرے کے مخالف ہو کر بھی ایک ہی لائن میں کھڑے تھے۔ یہ موضوع تو اُمت میں چودہ سو سال تک کبھی زیرِ بحث نہیں آیا تھا، ہر کوئی اس بات پر ایمان کی حد تک یقین رکھتا تھا کہ سید الانبیاء ﷺ کی ذات، اس کے لیے اپنے ماں باپ، اولاد، بہن بھائیوں، رشتے داروں اور دیگر تمام رشتوں سے زیادہ محترم، معزز اور عزیز ہے۔ مسلمان اپنے باپ کی گستاخی معاف کر دیتا، ماں کی بے حرمتی پر کمزور ہونے کی وجہ سے چُپ ہو جاتا لیکن رسول اکرم ﷺ کی ذات کی جانب غلط اشارہ بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس دور میں یہ موضوع ٹی وی ٹاک شوز کی زینت بننے لگا تھا۔ یہ ایک انتہائی خوفناک وقت تھا۔ پرویز مشرف سے پہلے ناکوں اور پولیس کی چیک پوسٹوں پر ایسے افراد کو روک کر پوچھا جاتا تھا جن کا حلیہ غنڈوں اور بدمعاشوں والا ہوتا تھا، لیکن اس دور میں ان پوسٹوں اور ناکوں پر ایسے

افراد کو تذلیل کا نشانہ بنایا جانے لگا، جن کے ماتھے پر محراب، سروں پر عمامہ، چہرہ داڑھی سے آراستہ اور شلوار اتباعِ سنت رسول میں ٹخنوں سے اُونچی ہوتی۔ اسی دور میں آئینِ پاکستان کے تحت اقلیت قرار دیئے جانے والے قادیانیوں کے بارے میں بھی مین سٹریم میڈیا پر گفتگو کا آغاز ہوا۔ پورے ملک میں ہر وہ شخص جو اسلام، مسلمان اور نظریۂ پاکستان کا تمسخر اڑانا چاہتا، اُسے کھلی چھوٹ تھی۔ اِس پژمردگی، مایوسی اور بے زبانی کے عالم میں شعلہ جوالہ کی صورت ایک آواز گونجی، ایک نعرۂ مستانہ، کہ جس کی گونج میں ہر وہ دل جس میں محبتِ رسول ﷺ کی ٹمٹماتی سی لَو بھی زندہ تھی پروانہ وار اُس کے گرد جمع ہونے لگا۔ اقبالؔ کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا یہ مردِ قلندر بالکل ویسی ہی کیفیت دلوں میں پیدا کرنے میں کامیاب ہوا جیسی اقبال نے اپنے بارے میں اپنی نظم شکرو شکایت میں لکھی:

اِک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند

کون تھا جس کو اس عالمِ پژمردگی و مایوسی میں علامہ خادم حسین رضوی کی آواز نے حوصلہ نہ دیا ہو۔ یوں لگتا تھا جیسے جنگل کے پر ہول سناٹے میں کوئی ضیغم کچھار سے نکل آیا ہو۔ اُس کے پُرزور نعرے نے جہاں دلوں میں ولولہ پیدا کیا، وہیں مَیں نے مدتوں بعد ہر گستاخِ رسول اور ملحد کے چہرے پر خوف دیکھا تھا۔ جن کی زبانیں مشرف دور میں گز گز لمبی ہوگئی تھیں، علامہ خادم حسین رضوی کے چہرے کے جلال سے کانپتے تھے۔

اسلام سے عناد، مسلمانوں کی تہذیب سے نفرت اور رسول اکرم ﷺ کی ذات کو زیرِ بحث لانے کی آرزو رکھنے والے مشرف دور کے بعد بھی بے لگام رہے۔ اس زہرناک درخت کی آبیاری زرداری اور نواز شریف کے دور میں بھی ہوئی اور عمران خان کے عہد میں

بھی یہ پھلتا پھولتا رہا۔نواز شریف نے ممتاز قادری کو تختہ دار پر لٹکانے کا طوق اپنے گلے میں پہنا تو عمران خان نے اُس ملعونہ آسیہ مسیح کو پروٹوکول دیا جس کی جسارت فرانس کے گستاخانِ رسول ﷺ کو اس قدر پسند آئی تھی کہ آج پیرس کی جس عمارت پر رسول اکرم ﷺ کے گستاخانہ خاکے لٹکائے گئے تھے،اس عمارت پر کئی سال آسیہ مسیح کی تصویر لٹکتی رہی۔ یہ اس بات کا اظہار تھا کہ مغرب رسول اکرم ﷺ کی گستاخ کو کتنی عزت دیتا ہے۔لیکن گزشتہ دس سالہ عہد اگر کسی فرد کی جدوجہد سے عبارت تھا،کسی مردِ حُرّ کی مردانہ وار آواز سے گونجتا اور زندہ ہوتا تھا اور کسی عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبے شخص کے جذبے سے توانائی لیتا تھا تو وہ صرف اور صرف علامہ خادم حسین رضوی کی ذات تھی اور ان کے بعد شاید اب کوئی بھی نہیں۔ دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آتا کہ جس کی گرمیٔ شوق سے لوگوں کے دل زندہ ہوں:

میری نوائے شوق سے شورِ حریمِ ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بُت کدۂ صفات میں

مفسرینِ ومفتیان تو بہت سے آئے اور آج بھی ہیں،مقررین بھی بے شمار آئے اور آج بھی شعلہ بیانی دکھارہے ہیں،لیکن عشقِ رسول ﷺ کا حدی خوان اس قوم میں مدتوں بعد پیدا ہوا تھا۔وہ جری جس نے اقبال کے اس مصرعے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری

کا حق ادا کرتے ہوئے خانقاہوں اور مزاروں سے لپٹے ہوئے لاتعداد انسانوں کو وقت کی کربلا میں سنتِ امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی اتباع میں لاکھڑا کیا تھا۔جس کی گرمیٔ گفتار دلوں کو جوش دلاتی تھی،کمزور دلوں کو توانا اور مضبوط دلوں کو شیر کرتی تھی۔عشقِ رسول ﷺ کے ترانے گاتا شخص:

نغمہ کجا و مَن کجا، سازِ سخن بہانہ است
سُوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

''مَیں کہاں اور نغمہ کہاں، میری شاعری تو ایک بہانہ ہے۔ مَیں تو ایک بے لگام اونٹنی (مسلم قوم) کو قطار میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں''

علامہ خادم حسین رضوی کی بنائی گئی قطار میں آج بے شمار فرزانے و پروانے موجود ہیں جنہیں شمعِ رسالت ﷺ کی لَو پر جان دینے کا جذبہ انہوں نے دیا ہے، لیکن ان کے رخصت ہو جانے کے بعد دل پر وہی کیفیت طاری ہے جو اقبال نے وقتِ رخصت اپنے بارے میں کہا تھا:

سُرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دِگر دانائے راز آید کہ ناید

''وہ پہلے والا نغمہ آئے گا کہ نہیں۔ حجاز کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آئے گی یا نہیں۔ اس فقیر کا آخری وقت آ گیا ہے۔ کوئی دوسرا دانائے راز آئے گا کہ نہیں۔''

اپنے اس عالمِ پیری میں مجھے تو دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا۔

شہیدِ ناموسِ رسالت کی للکار

تحریر: ڈاکٹر علی اکبر الازہری، بشکریہ روزنامہ نوائے وقت (9-12-20)

گزشتہ دنوں لاہور شہر کے تاریخی منٹو پارک کی وسعتیں تنگ دامانی کا گلہ کرتے دیکھی گئیں، تو مجھے تعجب نہیں ہوا، کیونکہ یہ معاملہ ہی عجیب تھا۔ بقول شخصے: ''عشق دے معاملے اولے''۔ یہ عشق کا رنگ تھا اور محبتِ رسول ﷺ کی طاقت تھی، جو ہر اہلِ ایمان کو کشاں کشاں مینارِ پاکستان کی طرف کھینچے چلی جا رہی تھی۔ مَیں نے اپنی آنکھوں سے اپنے کئی جاننے والے دیگر مسالک کے احباب کو حسرت اور شوق کے جذبات سے سرشار شریکِ اجتماع دیکھا۔ وہاں پاکستان کے تمام مسالک، تمام زبانیں بولنے والے، تمام رنگ، عقیدت کے رنگ میں سرشار نظر آئے۔ معلوم ہوا عشقِ رسول ﷺ کی نسبت انسان کو لازوال بھی بنا دیتی ہے اور سب کا محبوب بھی، کیونکہ یہ اُلوہی نظام کا حصہ اور قدرت کے اپنے فیصلوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارے یا کسی میڈیا کی بیساکھیوں کے سہارے نہ تو کوئی عاشق بن سکتا ہے اور نہ دلوں میں اس کی محبت سرایت کر سکتی ہے۔

ہم نے دیکھا لاہور کی وسیع و عریض تجارتی شاہراہیں، کاروبارِ حیات سے نہ صرف بے نیاز بلکہ سوگوار بھی تھیں۔ آج معمول سے ہٹ کر اِن مصروف شاہراہوں کی رونقیں اس مردِ درویش کے جذبوں کی قدرتی مہک سے عطر بیز تھیں۔ آج کے مناظر دیکھ کر یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ سے محبت کرنے والوں اور ناموسِ رسالت پر جان چھڑکنے والوں کے سچے جذبوں کی کتنی قدر ہے؟ اُس قادرِ مطلق کے ہاں اخلاص و وفا کی قیمت ہی اور ہے۔ دنیوی جاہ و حشمت اُس کے ہاں پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ بقول اقبال:

تیری حیات میں ہے اگر شر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر

کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوت حیدری

ایک ایسا شخص جو سونے کا چمچ لیکر پیدا ہوا اور نہ اس کے پاس دولت و ثروت تھی۔ اس کے پاس تو رہنے کو اپنا گھر بھی نہ تھا۔ مسجد سے ملحق چھوٹا سا حجرہ، جہاں وہ کئی سالوں سے اپنے بیوی بچوں سمیت عزیمت کی زندگی گذار رہا تھا۔ مدرسے کا ایک محدود آمدنی والا عام سا اُستاد۔ نہ اس کے پاس گدی تھی، نہ کوئی مشہور آستانہ، نہ کسی سیاسی خاندان کا چشم و چراغ تھا اور نہ کسی عالم و شیخ کا صاحبزادۂ والا شان۔ وہ تو خالی ہاتھ تھا۔ ہاں مگر اس کا دل محبتِ رسول ﷺ سے سیراب تھا۔ وہ اِس سرمدی سرمائے سے مالا مال تھا۔ اس کی بے ساختہ زبان اس کے بے لوث جذبوں کی ترجمان تھی۔ اُسے جدید نسل پر دھاک بٹھانے کے لیے نہ انگریزی زبان کا سہارا لینا آتا تھا اور نہ وہ ڈپلومیسی کے عصری فن سے آگاہ تھا۔

قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ کچھ بھی نہیں رکھتا

فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

محبتِ رسول ﷺ تو اللہ پاک کی دین ہے۔ یہ تو نورِ الٰہی کا وہ حصہ ہے جسے اللہ پاک نے خالص اہلِ ایمان کے دلوں میں بھر دیا ہے۔ یہ اللہ پاک کا روحانی رزق ہے جو ازلی فیصلوں پر تقسیم ہوتا ہے۔ ہاں اس کے لیے قلب منور کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا نصاب شریعت مطہرہ ہے۔

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔ یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا۔ آج اِسی اُلوہی قدسی رزق کی تلاش اور اس کے اظہار کا دن تھا۔ آج ہر دل اُس کے شعلۂ عشق کی محبت سے لبریز نظر آتا تھا اور ہر زباں پر اُس کے خلوص اور بے باکی کا تذکرہ

نمایاں تھا۔ مَیں نے علماء ومشائخ کے بڑے بڑے جنازے دیکھے، بڑے بڑے دینی اور سیاسی اجتماعات کا آنکھوں دیکھا حال قلمبند بھی کیا، مگر یہاں کا جوش اور جذبہ بالکل مختلف نظر آیا جس کے بیان اور اظہار کے لیے میرے الفاظ یقیناً ناکافی اور بے بس ہیں۔

ہمارے کئی دوست جنازے میں شامل ہونے والوں کی تعداد گن رہے ہیں۔ کچھ دانشور پاکستانی قوم کے ثوابی پن اور جنازوں میں شرکت کی روِش پر شاکی ہیں۔ دوستانِ محترم! بات کثرت یا قلت کی نہیں، سچ کے اظہار اور اس کی قدر دانی کی ہے۔ مجھے ایامِ طالبِ علمی میں ان کے ساتھ کچھ ماہ گزارنے کا موقع ملا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خادم حسین رضوی نے خدمتِ دین اور ناموسِ رسالت ﷺ کے پرچم کو پوری قوت اور خلوص کے ساتھ تھاما۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم ہونے کا حق ادا کیا۔ اللہ پاک نے ان کے نام اور کام کے سبب اُن کے مخالف اور موافق کو اُن کا مداح بنا دیا۔ کہتے ہیں: حق وہ ہوتا ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کرے۔ علامہ رضوی کی جہادی گھن گرج نے تو بھارت میں صفِ ماتم بچھا رکھی ہے۔ اس معذور شخص کی بے باک شخصیت کی دھاک ترقی یافتہ مغرب کی منافقت پر بھی بیٹھ چکی ہے۔

جسمانی معذوری کے باوجود جس چابک دستی سے انہوں نے ناموسِ رسالت ﷺ پر پہرا دیا اور ہمت واستقامت سے چوکیداری کا فریضہ سرانجام دیا، ایسا کسی سے ادا نہ ہوسکا۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے...... یہ بڑے نصیب کی بات ہے

چار سال پہلے اُن کو یا تو کوئی جانتا نہ تھا یا پھر چھوٹی سی مسجد کے امام کے طور پر لوگ انہیں بھی ایک مولوی سمجھتے تھے اور بس۔ میسر روایتی دینی علم کے ساتھ اُنہیں شاعرِ مشرق، وارثِ عشق رومی، قلندرِ لاہوری، علامہ اقبال اور دورِ فتن میں عشقِ رسول ﷺ اور غیرتِ

ایمانی کی بڑی علامت، ہمہ گیر عالمی شخصیت امام احمد رضا محدث بریلی رحمہم اللہ تعالیٰ کے افکار و اشعار سے سرشاری مقدر میں ملی تھی۔ اس سرشاری سے لیس عشق و جنون کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آئے تو بڑے بڑے شاہسواروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

ان کی سرعت رفتار کی وجہ جو میری سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ میں نے ان کے کسی جلسے، اجتماع یا جلوس میں اُن کا ذاتی نعرہ بلند ہوتے نہیں سنا۔ انہیں اپنی ذات سے کوئی سروکار تھا ہی نہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ فنا فی الرسول تھے۔ اُنہیں تاجدارِ ختم نبوت ﷺ کی محبت کا ایسا سرمدی نشہ چڑھا ہوا تھا کہ ہمیشہ حضور ختمی مرتبت کے نعروں میں مدہوشی کو ہی اپنے قلب و باطن کی خوراک بنا رکھا۔

ان کی زبان اگر سخت تھی تو یہ بھی ان کے عشقِ رسول ﷺ کی بے ساختگی اور بے باکانہ پن کی علامت تھی۔ ان کے بعض کلپ ناگوار گزرتے تھے، مگر جب ان کی زبان و بیان سے حضور ختمی مرتبت، آپ کے جلیل القدر صحابہ کے ایمان افروز تذکرے اور مجاہدینِ اسلام کے عزیمت بھرے واقعات سننے کو ملتے ہیں تو سب تلخیاں اس سرشاری میں فنا ہو جاتی ہیں۔ مَیں نے ان کے ساتھ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں گزرے تین دہائیاں قبل یادگار ایام کے تذکرے کی بقیہ قسط ابھی لکھنی تھی کہ جنازے کا روح پرور منظر دیکھنے کو ملا تو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی بارگاہ بڑی مہربان اور لجپال ہے۔ عشق رسول ﷺ واقعی کائنات کی وہ عظیم قوت ہے جو اقوام سے لے کر افراد کو عظمتوں سے سرفراز کر دیتی ہے۔ اللہ پاک اقبال کے اس قدسی شاہین اور سچے عاشقِ رسول ﷺ کے جذبوں کو ہمارے بے جہت نوجوانوں کی دھڑکن بنا دے اور اس راست جذبے کے ہاتھوں ملکِ عزیز پاکستان اور دین کے دشمنوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملائے۔

آخر میں تمام مذہبی اور سیاسی کارکنان وقائدین سے گزارش ہے کہ مرحوم علامہ خادم حسین رضوی کی روح اب اپنے خالق ومالک کے حضور پیش ہو چکی ہے۔انہیں ہمارے لجپال آقا ﷺ کی شفقت بھی میسر آ چکی ہے۔وہ اپنا سرمایۂ محبت پیش کر کے اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو ہو گئے ہیں،مگر اُن کی روح ہم سب سے بجا طور پر مطالبہ کرتی ہے کہ امت کے مفادات کی حفاظت ناموسِ رسالت ﷺ کی حفاظت سے مشروط ہے۔آؤ! سب کلمہ گو،حضور ﷺ کے اُمتی اپنی اپنی شناختوں اور جماعتوں کو بحال رکھتے ہوئے اپنے عظیم آقا ﷺ کی ناموس کی خاطر حرم کی پاسبانی کے لیے پرچمِ اسلام کے نیچے جمع ہو جائیں۔چھوٹے چھوٹے ذاتی اور جماعتی مفادات کی قربانی سے اگر ہماری جمعیت اُمت کے کام آ سکتی ہے تو اس سے ہمارا رب اور ہمارے آقائے رحمت ﷺ خوش ہوں گے اور ان کی خوشی میں ہماری ابدی سعادتیں اور کامیابیاں پوشیدہ ہیں۔

عالمِ مغرب فرانس کے صدر کی غلیظ حرکت پر اگر اس کے ساتھ کھڑا ہونے میں عار نہیں سمجھتا تو اے نبی آخرالزمان ﷺ کے اُمتیو! اے اللہ کے بندو! تم اکٹھے کیوں نہیں ہو رہے؟ عالمِ کفر تمہارا ازلی دشمن ہے،اسے تم سے تمہارے دین سے اور تمہارے رسول معظم ﷺ سے کبھی بھی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔وہ تمہیں منتشر اور کمزور دیکھنا چاہتا ہے تاکہ دنیا میں تمہیں نیست ونابود کر سکے۔کفر ہر دور میں تمہاری جڑ کاٹنے کے درپے رہا ہے مگر تمہارے رب اور رسول ﷺ کو تمہاری عزت وناموس آج بھی عزیز ہے تم اس کی پسندیدہ اور آخری امت ہو۔تم زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہو۔سنو! اقبال کی الہامی آواز میں اُلوہی پیغام کو:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح وقلم تیرے ہیں

کلماتِ تحسین

تحریر: مولانا سردار احمد حسن سعیدی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، مدرس جامعہ رضویہ، راولپنڈی

کسی انسان کے عظیم ہونے کے لیے یہ بات بہت اہم ہوتی ہے کہ اُس کا مشن کتنا اعلیٰ وارفع ہے، اس کی اپنے اس عظیم مشن کے ساتھ وابستگی کیسی ہے اور وہ اُس کے ساتھ کتنا مخلص ہے۔ عظیم ترین مسلم حکمران سلطان صلاح الدین ایوبی سے مسلمان والہانہ محبت اس لیے نہیں کرتے کہ وہ بڑے زبردست حکمران اور اعلیٰ پائے کے منتظم تھے، یا بڑے کامیاب سپہ سالار تھے، بلکہ ان کے ساتھ مسلمانوں کی بے پناہ محبت وعقیدت فقط اس لیے ہے کہ وہ بڑے سچے اور کھرے مسلمان تھے، انہوں نے بہت اعلیٰ مقصد کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا اور پھر کسی نفع نقصان کی پرواہ کیے بغیر خود کو اس عظیم مقصد کے لیے وقف کر دیا۔ یہ ان کا اخلاص ہی تھا کہ مسلم وغیر مسلم سبھی ان کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔

مولانا خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی دورِ حاضر میں حیرت انگیز طور پر انتہائی قلیل وقت میں بے پناہ شہرت ملی، لوگوں نے ان کو اس قدر محبت وعقیدت دی کہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی، اہلِ اسلام نے اُن کی راہ میں پلکیں نہیں دل بچھائے۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ قحط الرجال کے اس دور میں انہوں نے خود کو ایک اعلیٰ ترین مقصد کے ساتھ وابستہ کیا اور پھر اپنا تن، من، دھن مال اولاد حتی کہ سب کچھ اس مقصد کے لیے وقف کر دیا۔ ''تاجدارِ ختمِ نبوت......زندہ باد'' کا نعرہ بلند کیا۔ ناموسِ رسالت کی پہرہ داری کا علم تھاما اور محض تین سالوں میں یہود ونصاریٰ کی کئی دہائیوں کی سرمایہ کاری کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا، ساتھ ہی ملک کے سیکولر طبقے کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ بلاشبہ 2017ء فیض آباد دھرنا تا 2020ء

دھرنا مسلمانوں کی تاریخ کا روشن ترین باب ہے، جسے نہ بھلایا جا سکتا ہے اور نہ تاریخ سے مٹایا جا سکتا ہے۔ 1990ء کی دہائی کے آغاز میں ضلع اٹک کے ایک دُور دراز گاؤں سے آ کر لوہاری گیٹ، لاہور کے ایک دینی دارے میں داخلہ لینے والے سادہ مزاج خادم حسین کے بارے میں کسے معلوم تھا کہ چند دہائیوں کے بعد یہی طالب علم لوگوں کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نئے سبق پڑھائے گا اور مسلم نوجوانوں کی اُمیدوں کا مرکز بن کر امیر المجاہدین کے لقب سے شہرت کی بلندیوں تک پہنچے گا۔ وہ اپنے عزم و ہمت، استقامت و استقلال اور اپنی للکار سے وطن کے ضمیر فروشوں، ایمان فروشوں، بے دینوں، مغرب پرستوں سے لے کر امریکہ و یورپ کے اسلام دشمنوں تک سب کو ہلا کر رکھ دے گا۔

مولانا خادم حسین رضوی 1990ء میں مسندِ تدریس کی زینت بنے تو بہت جلد ایک قابل مدرس اور اچھے استاذ کی شہرت پائی، عربی گرائمر (علم صرف) میں تو وہ سند کی حیثیت اختیار کر گئے۔ منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو نکتہ دانی کے بجائے ایک مصلح کا کردار نبھایا۔ بے لوثی اور خودداری ان کا خاص وصف رہا، کسی سے کوئی غرض نہیں رکھی، ڈر اور خوف کو کبھی غالب نہیں آنے دیا، ہمیشہ غلط کو غلط کہا اور پھر اس پر ڈٹ گئے۔ مشرف کے دورِ حکومت میں اس کی اسلام دشمن پالیسیوں کو ہدفِ تنقید بنایا اور مشرف کے خلاف بہت سخت تقریریں کیں، جس کی پاداش میں جیل جانا پڑا۔ قید و بند کی سختی جھیلی لیکن اپنے موقف سے سرِ مُو انحراف نہ کیا۔ جیل سے رہائی کے بعد پہلے جمعہ پر جو تقریر کی اس میں پہلے سے زیادہ جارحانہ رویہ اپنایا اور مشرف جیسے ڈکٹیٹر کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ حکومتی پالیسی کے خلاف جانے کی وجہ سے ہی بعد ازاں آپ کی اوقاف کی ملازمت بھی جاتی رہی، لیکن اس مردِ قلندر اور مردِ درویش کو اس کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ ان کا چناؤ ایک بڑے مشن کے لیے ہو چکا تھا اور وہ اس اعلیٰ مقصد

اور کردار کی طرف قدم قدم بڑھ رہے تھے۔

غازی ممتاز حسین قادری شہید نے جب ایک شیطان کو واصلِ جہنم کیا تو اس کے بعد مولانا خادم حسین رضوی نے میدانِ کارزار میں نئے انداز سے قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے چھا گئے۔ بعد میں وہ وقت بھی آیا کہ ملک اور بیرونِ ملک ہر طرف دو نعروں: ''لبیک یا رسول اللہ'' اور ''تاجدارِ ختمِ نبوت...... زندہ باد'' کی گونج تھی اور ایک شخص کا راج تھا اور وہ خادم حسین رضوی تھا۔

اس بات میں کوئی شک اور شبہ نہیں کہ اِس دورِ ابتلا میں جب قحط الرجال اپنی انتہاؤں کو چھو رہا ہے، جب ناموسِ رسالت اور ختمِ نبوت کے لیے ملک میں کوئی توانا آواز موجود نہیں تھی اور نہ ہی کوئی ایسی مضبوط تحریک موجود تھی جو میدان میں آکر دشمن کو للکار سکے، اِس مشکل دور میں مولانا خادم حسین رضوی نے عظمت مصطفیٰ ﷺ کا علم بلند کیا اور اپنے کردار، عمل اور جرأت سے ساری دنیا کو بتا دیا کہ جب مسلمان غلامیٔ رسول ﷺ کا طوق اپنے گلے میں ڈالتا ہے تو وہ کتنا طاقت ور ہو جاتا ہے۔ اپنے مشن سے بے لوث وابستگی، حضور ﷺ پر جان فدا کرنے کا عزم اور دشمنانِ اسلام کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہونے کا عملی مظاہرہ مولانا خادم حسین رضوی کا طرۂ امتیاز بن گیا۔ ان کی گرج دار آواز خالص پنجابی لہجہ، دلوں میں اُتر جانے والے اندازِ گفتگو، جرأت و بہادری اور کمپرومائز نہ کرنے کے عزم نے طاقت کے مراکز اور حکومتی ایوانوں کو لرزا کر رکھ دیا۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ یورپ و امریکا میں ہمہ وقت مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف اسلام دشمنوں کو بھی پریشان کر دیا۔ شنید یہی ہے کہ مغرب کی تمام زبانوں میں ان کی تقریر کے تراجم ہو رہے تھے۔

یہ بات کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انہوں نے ناموسِ رسالت اور ختمِ نبوت پر جس

طرح پہرہ دیا اور عام مسلمان کو اس مسئلہ کی اہمیت سمجھائی۔ جب سب سو رہے تھے وہ نہ صرف جاگ رہا تھا بلکہ دوسروں کو بھی جگا رہا تھا۔ جب سب پریشان بیٹھے تھے کہ کیا کریں وہ دشمن کے سامنے کھڑا تھا اور ڈٹ کر کھڑا تھا۔ مولانا خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقط ناموسِ رسالت اور ختمِ نبوت کے لیے ہی آواز نہیں اٹھائی بلکہ دفاعِ صحابہ کے لیے بھی اپنا کردار خوب نبھایا۔ مینارِ پاکستان کے سائے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کے لیے ان کے کہے گئے چند الفاظ دفاع صحابہ کی تاریخ میں اپنی الگ شان رکھتے ہیں۔اس موضوع پر اتنا اختصار اور ایسی فصاحت و بلاغت شاید ہی پھر سننے کو ملے، بلاشبہ معروف و مشہور مقولہ ان الفاظ پر سو فیصد صادق آتا ہے کہ یہ الفاظ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

مولانا خادم حسین رضوی نے اس قوم پر ایک احسان یہ بھی کیا کہ جب ہمارے نصابوں سے علامہ اقبال کو نکالا جا رہا تھا اس شخص نے گھر گھر اور فرد فرد تک اقبال کو پہنچا دیا۔ انہوں نے نوجوانوں اور بچوں کو اقبال کی طرف راغب کر کے بہت بڑا کام کیا ہے۔

ایک اور کام جو وہ کر گئے اور اس کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا، وہ یہ کہ اٹک، چکوال اور گرد و نواح کی ٹھیٹ پنجابی زبان اور لہجے کو انٹرنیشنل سطح پر متعارف کرا دیا۔

مولانا خادم حسین رضوی کا سب سے خطرناک ہتھیار یہ تھا کہ ان کے ہاتھ میں اسلحہ نہیں تھا، انہوں نے کلاشنکوف کے برسٹ نہیں چلائے، بم دھماکے نہیں کیے، بلکہ اپنے خطابات میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عشقِ رسول ﷺ کے واقعات اور اقبال کے اشعار کے ذریعہ نوجوانوں کے لہو کو گرما دیا اور خالی ہاتھ مسلم نوجوانوں سے وہ کام لیا جو بڑی بڑی فوجیں ہتھیاروں سے بھی نہیں لے سکتیں۔

وہ ایک جینئس آدمی تھے۔ وہ بلٹ پروف گاڑیوں میں نہیں بیٹھے، بچوں کو مغرب کی

درسگاہوں میں نہیں بھیجا، محلات تعمیر نہیں کیے، بلکہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے بچوں سمیت میدان میں آئے، ہر سختی کا جرأت مندی سے مقابلہ کیا اور قلیل عرصے میں وہ کر دکھایا کہ بڑے بڑے لیڈر دہائیوں کے بعد بھی اس کے عشر عشیر تک نہیں پہنچ پاتے۔

اللہ کرے ان کے جانشین ان کے مشن کو آگے بڑھائیں اور اس اعلیٰ مقصد، جس کے لیے مولانا خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود کو وقف کر دیا تھا، اس مقصد کے حصول کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں خرچ کر دیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے صاحبزادگان کو ان کے عظیم مشن کو پورا کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں یہ بھی کہوں گا کہ مولانا خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جنازے کو دیکھنے کے بعد اس بات پر ایمان بڑھ گیا ہے کہ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

میرے مربی ومحسن......امیر المجاہدین

تحریر: مولانا صاحبزادہ محمد انوار الرسول مرتضائی، مرکزی صدر مجلس علماء نظامیہ پاکستان

9 مئی، 1990ء کو جامعہ نظامیہ رضویہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو رہا تھا۔ ہمارا صرف کی کلاس میں پہلا دن تھا۔ صبح اسمبلی کے بعد شعبۂ صرف کے تمام طلبا محدثِ اعظم ہال میں آ گئے جہاں پر صرف کی کلاس ہونا تھی۔ تمام طلبا نئے سال کے پہلے دن ہشاش بشاش اُجلے کپڑوں میں ملبوس تھے، جن میں اکثریت ان طلبا کی تھی جنہوں نے گزشتہ برس جامعہ کے شعبہ فارسی میں ادیبِ اہل سنت حضرت علامہ محمد منشا تابش قصوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے فارسی کی کلاس پڑھی تھی، جبکہ کچھ نئے چہرے بھی تھے۔ ساری کلاس منظّم انداز میں بیٹھ کر استاذ گرامی کا انتظار کر رہی تھی اور ہر ایک کے ذہن میں یہی تھا کہ ابھی تھوڑی دیر میں استاذِ گرامی علامہ غلام نصیر الدین چشتی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ (موجودہ شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور) تشریف لا کر اپنی مسند پر رونق افروز ہو جائیں گے، جو گزشتہ چند سالوں سے جامعہ میں صرف پڑھا رہے تھے اور آپ صرف پڑھانے میں کافی مقبول بھی تھے۔ ہماری ان سے اچھی خاصی شناسائی تھی اور گزشتہ برس ان کی خدمت میں کئی ایک مرتبہ بیٹھنے کا موقع بھی مل چکا تھا۔ اسی اثناء میں ایک نہایت وجیہ نوجوان باوقار انداز میں چلتا ہوا آیا اور استاذِ گرامی کی مسند پر بے تکلفانہ انداز میں بیٹھ گیا۔ سفید اُجلا لباس (کرتا شلوار مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی طرح سادہ)، سر پر سفید جالی دار ٹوپی، ہاتھ میں صافہ (چادر)، سرخ سفید رنگت، بھرپور جوانی، سیاہ ریش، (رخساروں اور ٹھوڑی کے بال ابھی آپس میں ملے نہیں تھے)، پُرجلال چہرہ۔ یہ وہ حسین سراپا تھا جو پہلی نظر میں ہر طالب علم

کے ذہن میں نقش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کلاس میں سناٹا رہا۔ پہلے شناسائی نہیں تھی ہر ایک کا دل دھڑک رہا تھا کہ اس شخصیت نے خود ہی خاموشی کو توڑا اور فرمایا:

''میرا نام مولوی خادم حسین ہے، اس سال میں آپ کو صرف پڑھاؤں گا''۔

جس طرح ہمارا صرف کی کلاس میں پہلا دن تھا اسی طرح استاذِ گرامی کا تدریسی زندگی کا پہلا دن تھا۔ 9 مئی 1990ء کو جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے مطلعِ تدریس پر طلوع ہونے والا یہ ستارہ اگلے پچیس سال تک پوری آب و تاب سے جگمگاتا رہا اور صرف سے لے کر دورۂ حدیث تک آپ سے جس کسی نے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے آج اس پر بجا طور پر فخر کرتا ہے۔ بالخصوص آپ نے زندگی کا ایک حصہ علم صرف کو دیا اور علم صرف کے ہزاروں علما تیار کرنے کے ساتھ ''تیسیر ابواب الصرف'' اور ''تعلیلاتِ خادمیہ'' جیسی کتب کی صورت میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ بجا طور پر آپ کو اس دور میں امام الصرف تسلیم کیا جاتا ہے۔

آپ کی تدریس کا انداز بھی اچھوتا تھا، صبح کلاس کا آغاز پورے جوش و ولولے سے کرواتے۔ گردانوں کے لیے طلبا کی ٹولیاں بنا دیتے، جو عموماً کھڑے ہو کر گردانیں کرتے۔ آپ اپنی مسند پر کم ہی تشریف فرما ہوتے، بلکہ ہر ٹولی کے پاس جا کر کھڑے ہوتے اور گردانیں سنتے۔ گردانوں، قوانین اور نحو میر کا تکرار ایسے ہوتا جیسے حفاظ منزل سناتے ہیں۔ یہ سلسلہ چھٹی تک مسلسل جاری رہتا۔ نمازِ ظہر کے بعد پھر کلاس لے لیتے اور قرآن پاک سے صیغے نکلواتے۔ تعلیلات اور قوانین کا اِجرا کرواتے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا۔ تمام صرفی قوانین ازبر تھے۔ کسی کتاب کی مدد کے بغیر قوانین لکھواتے اور اِجرا کرواتے۔ راقم سمیت طلبا کے پاس آپ کے لکھوائے ہوئے صرف پر ضخیم رجسٹر موجود ہیں، ایسے محسوس ہوتا تھا کہ صرف ہی آپ کا عشق اور اوڑھنا بچھونا ہے۔

صرف جیسے خشک مضمون میں بھی آپ کسی صیغے کی آڑ میں، کسی دُور پار کی مناسبت سے بات کو عشق رسول ﷺ، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے کارناموں اور مجاہدین کی معرکہ آرائیوں کی طرف موڑ دیتے۔ ہم نے معرکہ ہائے بدر و حنین اور یرموک و قادسیہ کی داستانیں آپ ہی سے سنیں۔ آپ کے والہانہ انداز سے محسوس ہوتا کہ گویا صحابہ کے گھوڑے ابھی قادسیہ اور یرموک کے میدانوں میں پرچم اُٹھائے بڑھ رہے ہیں۔ مجاہدین کی کوندتی تلواریں، دریاؤں، میدانوں اور صحراؤں کو چیرتے لشکر چشمِ تصور میں نظر آنے لگتے تھے۔ سلطنتِ رومہ و ایران اور اُن کے بادشاہوں کے تخت و تاج عساکرِ اسلام کی گردِ راہ معلوم ہوتے تھے۔

حیدرِ کرار، خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہما، قتیبہ بن مسلم، یوسف بن تاشفین، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، سلطان محمود غزنوی، سلطان محمد فاتح، شہاب الدین غوری اور سلطان اورنگزیب عالمگیر علیہم الرحمہ کے کارنامے بات بے بات بیان کرنے لگتے۔ مسلمانوں کے زمانۂ عروج کی بات کرنے لگتے تو چہرہ تمتمانے لگتا، زوال کے ذکر پر غم واندوہ میں ڈوب جاتے۔ سلطنتِ عثمانیہ کا زوال، خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ، مصطفیٰ کمال اتاترک کی اسلام دشمنی، ہندوستان میں مسلمانون کا عروج و زوال، 1857ء کی جنگِ آزادی، اہل سنت علما کا احقاقِ حق، علامہ فضل حق خیر آبادی کے قبیل کے علما کی پھانسیاں اور جلاوطنیاں، علما کا توپ کے دھانوں سے باندھ کر اُڑایا جانا، تحریک پاکستان میں علمائے اہل سنت کا ہراول دستے کا کردار، تحریکِ ختمِ نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفیٰ آپ کے مستقل موضوعات تھے۔

سیاست آپ کا پسندیدہ عنوان تھا۔ قائدِ ملتِ اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی علیہما الرحمہ سے آپ کی جذباتی وابستگی تھی۔ اکثر کلاس میں

موضوعِ سخن نورانی و نیازی ہوتے۔ اساتذہ میں آپ شیخ الحدیث مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالی اور شیخ الحدیث علامہ محمد رشید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد متأثر تھے اور اپنی گفتگو میں اپنے اِن اساتذہ کے افکار کو حوالے کے طور پر پیش کرتے۔ چونکہ راقم کو بھی ان ہر دو اکابر اساتذہ سے طویل شرف تلمذ رہا اس لیے آپ کی ذات گرامی میں ان کی تربیت کی جھلک واضح طور پر محسوس کرتا تھا۔

1990ء آپ کی تدریسی خدمات کے آغاز کا سال ہے۔ تدریسی کتب کے ساتھ ساتھ اُن دنوں کلیاتِ اقبال بھی آپ کے زیرِ مطالعہ رہتی تھی اور کلامِ اقبال پر گہرا غور و خوض فرماتے رہتے تھے۔ بعض اوقات کلیات اقبال اپنے ساتھ بھی لاتے۔ بعض مقامات پر چِٹ رکھی ہوتی اور کلاس میں کسی نظم کا کوئی مخصوص حصہ طلبا کو سناتے۔ اس دور میں بھی آپ کو کلامِ اقبال کا بہت سا حصہ ازبر تھا۔ فرماتے تھے کہ لوگوں نے اقبال کو نہ سمجھا ہے نہ پرکھا ہے۔ عشقِ رسول ﷺ کے حوالے سے آپ کو اقبال سے والہانہ محبت تھی اور اسی وجہ سے حضرت مولانا جلال الدین رومی کی ''مثنوی شریف'' اور حافظ شیرازی رحمہما اللہ تعالیٰ کے دیوان'' حافظ'' سے عشق تھا۔

آپ نے اپنی تحریکی سرگرمیوں کا آغاز 2007ء کو مجلس علماء نظامیہ پاکستان کے صدر کی حیثیت سے کیا، یہ صدارت 2014ء تک جاری رہی، اِس دور میں مجلس علماء نظامیہ پاکستان ایک منظّم تنظیم کے طور پر سامنے آئی۔ آپ کے دور میں مجلس کی صوبائی اور ضلعی سطح پر تنظیم سازی کی گئی اور مجلّہ النظامیہ ایک مؤثر جریدے کے طور پر سامنے آیا۔

ناموسِ رسالت ﷺ پر مر مٹنے کا جذبہ اور عشقِ رسول ﷺ کی مضطرب لہریں تو شروع سے ہی آپ کے سینے میں متلاطم تھیں، لیکن اُنھوں نے طوفانِ بے درماں کی صورت

اس وقت اختیار کی جب غازیٔ اسلام حضرت ملک ممتاز حسین قادری علیہ الرحمہ نے گستاخِ رسول گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو واصل جہنم کیا اور پارلیمنٹ نے صدارتی اور وزیر اعظم کے حلف نامہ میں ختمِ نبوت کی شق سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد زمانے نے علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا امیر المجاہدین کی صورت میں وہ روپ دیکھا کہ چشمِ فلک نے ماضی قریب میں ایسے مناظر نہ دیکھے ہوں گے۔ آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اور امام اہل سنت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا پرچمِ غیرت وحمیت لے کر اس انداز سے نکلے کہ آپ کے جلال کے سامنے تمام تر ریاستی جبر کے باوجود متکبر حکمرانوں کو سرنگوں ہونا پڑا۔

آپ نے امت کو لبیک یا رسول اللہ ﷺ کے نعرے پر متحد کیا، جس نعرے نے مسلمانوں کو ایک ولولہ تازہ عطا کیا اور قوم کے بچے بچے کے سینے میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی شمع روشن کردی۔ آپ جب امت کو چار نعرے: لبیک یارسول اللہ۔ گستاخِ رسول کی ایک سزا ......سرتن سے جدا، سرتن سے جدا۔ تاجدارِ ختمِ نبوت......زندہ باد۔ اور **مَنْ سَبَّ نَبِیًّا...... فَاقْتُلُوْہُ** اور ہزاروں ممتاز حسین قادری، عبداللہ شیشان، عامر چیمہ، غازی فیصل خالد دے کر وصالِ محبوب ﷺ کے لیے روانہ ہوکر مینارِ پاکستان پہنچے تو آپ کے جنازے میں حاضر لاکھوں عشاقانِ رسول ﷺ نے وقت کے حکمرانوں کو یہ پیغام دیا کہ اب دینِ مصطفیٰ ﷺ کو تخت پر آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہود ونصاری کے ریزے خوار اب بھی آپ کے اس گرجدار نعرے سے لرز رہے ہیں:

پاکستان کا مطلب کیا...... **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** دستورِ ریاست کیا ہوگا...... **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ**

پاسبان ناموسِ رسالت وختم نبوت

تحریر: مولانا مفتی آفتاب احمد رضوی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، مدرس جامعہ اسلامیہ عیسیٰ خیل

امام خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک شخصیت تھی یا کہ تحریک......انقلاب تھا یا کہ عشق ومستی کا سیلاب۔ پورے جوش وجذبے سے اٹھا...... چہار دانگِ عالم پر چھا گیا۔ غیرت وحمیت کا پرچم لہرایا۔ اُٹھان، عروج، بلندی اور سرخروئی کا پیغام عام فرمایا۔ ختمِ نبوت اور ناموسِ رسالت کے پہرے دار بن کر ابھرے......شیر کی طرح گرجے۔ ایوانوں میں کھلبلی مچی اور وزیر ومشیر قدموں میں ڈھیر ہوگئے۔ جذبِ دروں کو آتش فشاں بنایا۔ ذوق اور شوق کو آراستہ وپیراستہ کیا۔ منزل مراد کی چمک اور سج دھج سے گم گشتگانِ راہ کو آشنا کیا اور خودی کو ہمدوش ثریا کر دیا۔

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کُنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

بظاہر معذور۔ چلنے سے لاچار۔ محض مسجد کا امام یا چٹائی پہ بیٹھ کے مدرسے میں پڑھانے والا مدرس۔ قال اللہ اور قال الرسول کا خوگر۔ خالی ہاتھ میدان میں اترے، نعرۂ مستانہ بلند کیا۔ ایک فوج مستانِ حق کی لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھی۔ دنیا دنگ رہ گئی۔ کیا ولولہ، کیا دبدبہ اور کیا جذبہ تھا۔ مادیت۔ لبرل ازم۔ اور سیکولرازم ماتم کناں ہوگئی۔ دین کے نام پلنے والے چیخ اُٹھے۔ جبہ ودستار کو دربارِ شاہی میں گروی رکھنے والوں کو دن میں تارے دکھائے۔ گرانے کی کوشش کی گئی۔ گھسیٹے بھی گئے۔ پابندِ سلاسل بھی کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، شیخ مجدد اور مجاہدِ ملت عبدالستار خان نیازی کی تاریخ عملاً دہرائی۔ ان کی یادوں

کے چراغ جگمگائے۔ ہزاروں شیل مارے گئے۔ ربڑ کی گولیوں سے نشانہ بنایا گیا۔ آگ اور بارود کی بارش برسائی گئی۔ ڈنڈے کے زور پر یزیدانِ وقت نے دبانے کی ناکام کوشش کی، لیکن فرعونیت، عشقِ رسول ﷺ کے سامنے بے بس ہوگئی۔ ابلیس کی ذریت نے ہر حربہ آزمایا، لیکن حق آگے بڑھتا ہے۔

قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال

یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

کفر سے مرعوب کھوپڑیاں اور فکر و نظر سے تہی اذہان کیا سمجھیں کہ مردِ قلندر کی للکار کیا ہے؟ غیرتِ حق کی پکار کیا ہے؟

دارا وسکندر سے وہ مردِ فقیر اولی

ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

عقل کے پجاری، یورپ کے بھکاری اور دین سے عاری لوگوں پر اخلاص اور للّٰہیت کی ضربِ کاری پڑی تو ان غلامانِ ہوس کے اوسان خطا ہوگئے اور جلوۂ عشق پوری طرح بے نقاب ہوگیا۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں   نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

پیکرِ عشق و مستی حضرت امام خادم حسین رضوی رحمہ اللہ تعالی کو ریاست نے ظلم کی چکی میں ڈالا۔ ہر بربریت روا رکھی۔ چنگیزیت کی داستانیں رقم کیں۔ عاشقانِ رسول ﷺ کے ساتھ خون کی ہولی کھیلی گئی پوری قوت سے دندناتے ہوئے مظالم توڑے گئے۔ شیطان کھل

کرا پنے چیلوں کی شکل میں ظاہر ہوا اور بڑی ڈھٹائی سے حق پرستوں کا مقابلہ کیا، لیکن اہلِ حق نے غیرتِ حق اور ناموسِ رسالت کا جھنڈا بلند رکھا۔ اپنی گردنیں کٹا کر پھر بدر واحد کی تاریخ دہرادی۔

اس وقت فیض آباد کربلائے وقت بن چکا تھا۔ جنگ کے انگارے دہک رہے تھے اور دھوئیں کے شعلے ہمالیہ کی بلندی کو شرمارہے تھے، لیکن دینِ حق کا داعی سرِ میدان استقامت کا پہاڑ بن کرڈٹا ہوا تھا۔ اور برابر للکارتا رہا:

ستمگر اِدھر آ ہنر آزمائیں تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

یہ منظر بھی آسمان نے دیکھنا تھا اور قیامت کے دن عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ کے جذبۂ جاں فروشی پر گواہ بننا تھا۔ لبیک یارسول اللہ کی صداؤں کے مقابلے میں کرائے کے غنڈوں کا بہیمانہ استعمال کیا گیا۔ عشق کے زمزموں کا مقابلہ گالی اور گولی سے کیا گیا۔ اللہ تعالی ان ظالموں کونشانِ عبرت بنائے۔

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں بے عیب را جُز بے گناہی نیست تقصیرے

لیکن یہ قافلہ تھما نہیں۔ یہ کارواں رکا نہیں یہ سیلاب ختم نہیں ہوا۔ وقت آیا موقع پا گیا پھر وہی جوش وجذبہ ہوگا اور وہی سرفروشانہ شان ہوگی۔

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

باطل کے تمام گماشتوں سے پنجہ آزمائی کی۔ دین کی خاطر چومکھی لڑائی لڑی۔ لبرل ازم، سیکولرازم، قادیانیت اور رفض وخروج اور عالم کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کرنہ

صرف حق بات کہی بلکہ آگے بڑھ کر ان کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر گھسیٹا۔لیکن آہ تقدیر نے پہل کی اور قافلہ سالارِ عشق ومستی نقاب کر کے گوشہ نشین اور خلوت گزیں ہو گئے۔

راقم نے کہا ہے:

آہ کہ رخصت ہوئے دنیا سے وہ بطلِ جلیل
جن کی نظروں میں تھی یہ دنیا و مافیہا قلیل

فیضِ عشقِ مصطفیٰ جاری وساری آج بھی
دیکھ لے اُن کا جنازہ بے نظیر و بے مثیل

غازیٔ ختمِ نبوت پیکرِ عشقِ رسول
تھے یقیناً پہرہ دارِ حرمتِ ابن خلیل

دین دشمن قوتیں ہیں لرزہ براندام اب
غیرتِ حق سے مزین جن کا کردارِ جمیل

وقت کا حاکم بھی جن کے رعب سے مرعوب تھا
شان وشوکت پر تجھے اب چاہیے کیسی دلیل

کفر کے ایوان میں للکار اُن کی گونجی تو
دم بخود ابلیس ہے ابلیس کے چیلے ذلیل

حضرت خادم حسین پر رحمتیں ہوں بے شمار
آفتاب بے نوا اُن کی نگاہوں کا قتیل

گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

تحریر: مولانا مفتی ضمیر احمد مرتضائی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، سرپرستِ اعلیٰ مرکز المرتضی

امیر المجاہدین استاذ العلما شیخ الحدیث مولانا خادم حسین رضوی علیہ الرحمہ کی بہت سی یادیں آج بھی ذہن میں محفوظ ہیں اور لائقِ صد تحسین و تقلید ہیں۔ چند رقم کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

اندازِ تدریس:

☆ بندۂ ناچیز کو 2004ء سے آپ کی خدمت میں پڑھنے کا اِعزاز حاصل رہا۔ آپ کے اندازِ تدریس میں ایک انوکھی بات یہ تھی کہ آپ دورانِ سبق بیک وقت تہذیبِ اخلاق، تدبیر منزل اور سیاستِ مدنیہ پر برابر تربیت فرماتے تھے اور ان تمام امور کی تربیت کرنے میں آپ کے پیشِ نظر معیار فقط محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا، جسے آپ اقبالیات اور اشعارِ اعلیٰ حضرت وغیرہ سے مزین فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس سے طلبائے دین و علم کی مایوسیاں چھٹ جاتیں، اُن کے اندر کام کرنے کا نیا جذبہ جنم لیتا اور ایک عجب کیفیت کی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی۔

☆ قبلہ استاذِ گرامی کا اندازِ تدریس یہ تھا کہ پہلے عبارت سنتے، پھر اس پر صرفی و نحوی تحقیق کراتے، پھر خیر آبادی طریقۂ تدریس کے مطابق مشکل سبق کا خلاصہ پہلے ارشاد فرما کر بیان شدہ تقریر کو عبارت پر منطبق کرتے۔ ترجمہ میں نحوی تراکیب ملحوظ رکھتے۔ ایک سے زیادہ بار عبارت کا ترجمہ کر کے اسے پختہ کراتے، پھر سنتے۔ جب سبق طالبِ علم کی گرفت میں ہو جاتا تو خارجی امور پر گفتگو فرماتے۔ کبھی کبھی رامپوری طریقۂ تدریس کے مطابق تھوڑی تھوڑی عبارت پڑھاتے جاتے اور ساتھ ساتھ اس کی وضاحت کرتے جاتے۔

☆ ہماری کلاس کو یہ شرف تھا کہ باقی طلبا کی بہ نسبت ہمیں زیادہ اسباق پڑھنے کا موقع میسر آیا۔علم صرف کے علاوہ درج ذیل اسباق بھی قبلہ استاذ گرامی سے پڑھے: تفسیر جلالین، معلقات سبعہ، ریاض الصالحین، ہدایہ جلد ثانی، مشکوٰہ شریف جلد ثانی۔ جب آپ نے پہلی مرتبہ شرح جامی اور ابوداود شریف و آثار السنن پڑھائی تو بحمد اللہ تعالی ہماری کلاس کو یہ اسباق پڑھنے کا شرف نصیب ہوا۔آپ عبارت پڑھنے والے جن طلبا پر سختی فرماتے تو پھر انہیں خاص شفقت سے بھی نوازتے تھے۔

☆ سبق چاہے فقہ کا ہو چاہے صرف کا، نحو کا ہو یا عربی ادب میں سے سبع معلقات کا، آپ ہر بات کو گھما کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت کی طرف لے جاتے۔سبق کی عبارت کا ترجمہ کرنے میں محبتِ مصطفیٰ ﷺ کے پیش نظر احتیاط کا دامن تھامے ترجمہ فرماتے۔کبھی کبھی ارشاد فرماتے: ''مَیں کل سارا دن اس لفظ کے ترجمہ کرنے میں پریشان رہا ہوں کہ اس کا کیا ترجمہ کیا جائے، بالآخر صبح فجر کے بعد مجھ پر اس کا ترجمہ واضح ہوا''۔اس قدر مشقت بتانے کا مقصود بھی طلبا کے اندر محنت کا شوق اجاگر کرنا ہوتا تھا۔

☆ آپ نبی اکرم ﷺ کے لیے مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ کے ترجمہ میں ''خلاف اولیٰ'' کا ترجمہ بھی پسند نہیں فرمایا کرتے تھے۔اس حوالے سے فرمایا کرتے: ''جس چیز کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہوگئی پھر وہ خلاف اولیٰ کیسے رہی؟''

☆ آپ ایک دفعہ سبعہ معلقہ پڑھاتے ہوئے ارشاد فرمانے لگے: ''جس کا دماغ گندا ہوا ُسے قرآن مجید پڑھتے ہوئے بھی شہوت آسکتی ہے اور جس کا دماغ ستھرا ہوا سے سبعہ معلقہ کے اشعار بھی پریشان نہیں کرتے''۔

☆ آپ جس طرح دورۂ حدیث شریف والے طلبا کو قصیدہ بردہ شریف زبانی یاد کراتے

اسی طرح آپ نے سبعہ معلقہ کے اشعار بھی کئی طلبا کو یاد کروائے۔ بندۂ ناچیز کو سبعہ معلقہ کے تین معلقے زبانی یاد کروائے، پھر کلاس کے اندر باقاعدہ طور پر سنا اور انعام سے بھی نوازا۔

نیک بیویاں چاہتے ہو تو خود نیک بن جاؤ:

ایک بار ''ریاض الصالحین'' کا سبق پڑھاتے ہوئے فرمانے لگے: ''تم داڑھیاں نہ کٹوایا کرو، اگر تمہیں نیک بیویاں چاہییں تو خود نیک بن جاؤ؛ کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: **اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ**'' گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں۔

حسین بننے کا نسخہ:

ایک دفعہ قبلہ استاذ گرامی قصیدہ بردہ شریف کا شعر ''**کأنھا الحوض تبیض الوجوہ بہ**'' پڑھاتے ہوئے فرمانے لگے: ''یار ہم سے آج تک کسی نے خوبصورت ہونے کا نسخہ نہیں پوچھا، کوئی ہمارے پاس آئے، ہم بتائیں کہ خوبصورت کیسے ہوتے ہیں؟ صبح تہجد کے وقت اُٹھ کر قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کیا کرو، اس سے تمہارے اندر حسن پیدا ہو جائے گا''۔

رزقِ حلال کی ترغیب:

ایک بار رزقِ حلال کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمانے لگے: جب مَیں لاہور آنے لگا تو میری والدہ محترمہ نے مجھے فرمایا: "بیٹا رات دودھ پینے والے کی بھی گزر جاتی ہے اور پانی پینے والے کی بھی گزر جاتی ہے، کبھی حرام کا لقمہ نہ لینا پانی سے گزارا کر لینا، یہ بہتر ہے"۔

قبلِ بعثت مسئلۂ نبوت:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے تقاضوں کے خلاف جب بھی کوئی بات ہوتی تو آپ چاہتے کہ ہر ایک اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ جن دنوں ''قبلِ بعثت مسئلہ نبوت'' میں اختلاف جاری تھا آپ کا موقف علی الاطلاق اثبات پر تھا۔ اس حوالے سے جیسی کاوش آپ کی تھی ویسی کسی اور کی طرف سے سامنے نہ آسکی۔ آپ نے بندۂ ناچیز کو اپنے قلم مبارک سے اپنا موقف لکھ کر عطا فرمایا جو آج بھی بندہ کے پاس موجود ہے، آپ نے تحریر فرمایا: ''کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ. عالمِ ارواح سے لے کر ابدالآباد تک حضور پُرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بالفعل نبی ہیں۔ یہی عقیدہ اسلاف واخلاف کا ہے، اس میں اگر مگر اور علمی مباحث کی قطعاً ضرورت تھی، نہ اب ہے۔ یہی خیر اور نجات کا راستہ ہے''۔

مخالفین کی طرف سے چھپ کر آنے والی پہلی کتاب کا پہلا ایڈیشن آپ نے بندہ ناچیز کو عطا فرمایا اور اس پر کام کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ بحمد اللہ تعالی آپ کی دعاؤں سے اس پر تفصیلی کام اس قدر رہا کہ بندۂ ناچیز نے ایم فل کے مقالے کا عنوان ''قبلِ بعثت مسئلہ نبوت میں اختلاف کا تحقیقی جائزہ'' رکھ لیا۔ آخر یہ کام 2018ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد قبلہ استاذ گرامی کی بارگاہ میں حاضری ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے۔

قبلہ استاذ گرامی سے ملاقات کے چند دن بعد فیصل آباد کی طرف سے ایک فریقِ مخالف کے بھائی نے قبلہ امیر المجاہدین کی بارگاہ میں عرض کی کہ ہمارا بھائی اس مسئلہ کے بارے میں ہمارے ساتھ بحث کا ارادہ رکھتا ہے اور ہم دلائل اکٹھے کر رہے ہیں۔ مَیں جب اگلی صبح جامعہ ہجویریہ، داتا دربار میں پڑھانے کے لیے گیا تو پتا چلا کہ فیصل آباد سے ایک عظیم

بزرگ کے بیٹے مہمان تشریف فرما ہیں۔مَیں جونہی تخصص فی الفقہ کی کلاس پڑھا کے نکلا تو مجھے اُن کا تعارف کروایا گیا۔علیک سلیک کے بعد مجھ ناچیز سے فرمانے لگے کہ مَیں رات قبلہ امیر المجاہدین کے پاس تھا، رات کو میں نے چلے جانا تھا لیکن آپ سے ملاقات کے لیے اِدھر داتا صاحب ہی رات ٹھہرا ہوں۔فرمانے لگے کہ ہمارا بھائی......قبل بعثت نبوت کا انکار کرتا ہے،مَیں نے قبلہ امیر المجاہدین سے اس حوالے سے دلائل دریافت کیے تو انہوں نے آپ کی طرف بھیجا ہے اور فرمایا ہے: آپ نے اس پر بہترین دلائل کے ساتھ ایک مقالہ لکھا ہے،اگر آپ کے لیے مناسب ہو تو اس مقالے کی ایک کاپی ہمیں عطا کر دیں۔بندہ ناچیز نے کہا: اگر تو قبلہ استاذ گرامی کا حکم ہے تو مقالے کی کاپی پیش ہے اور اگر یہ معاملہ مشورہ کے درجہ میں ہے تو پھر مجھے تھوڑا سا وقت دیں وہ مقالہ ان شاءاللہ تعالیٰ **"نور المرتضیٰ فی نبوۃ المصطفیٰ ﷺ"** کے نام سے فرید بک سٹال سے طبع ہونے والا ہے۔

محفلِ میلاد کے لیے انتظامات:

ایک مرتبہ آپ کے پیر خانے سے استغاثہ کے موضوع پر کتاب چھپنی تھی، 11 ربیع الاول کے دن آپ کو شیخ ابن عربی کی کتاب فتوحات مکیہ کے ایک حوالے کو تلاش کرنے کا حکم ہوا۔ آپ نے لائبریری سے فتوحات مکیہ کی چار بڑی جلدیں منگوائیں اور طلبا کو کچھ سبق پڑھانے کے بعد عبارت کے تلاش کرنے کا حکم دیا،لیکن عبارت تلاش نہ ہوسکی۔ جب چھٹی ہوگئی تو بندۂ ناچیز کو فرمایا: یہ چاروں جلدیں اٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو۔مَیں اٹھا کر آپ کے ساتھ چل دیا، جب لوہاری گیٹ سے باہر رکشے پر سوار ہونے لگے تو مجھے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا: میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ میں بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ جب آپ کی مسجد میں پہنچا تو فرمایا:

''تجھے چھٹی تب ملے گی جب اس عبارت کو تلاش کرلو گے۔آپ خود رات 12 ربیع الاول کے حوالے سے محفل کی تیاری فرمانے لگے۔ میں نے عبارت تلاش کرنا شروع کردی۔ قبلہ استاذ گرامی خود سامان اٹھا کر سیڑھیاں چڑھتے، دیگ کے لیے چاول وغیرہ اپنے ہاتھ سے نیچے لاتے ،ہم میں سے کوئی آگے بڑھتا تو اسے اشارۂ ابرو سے ہٹا دیتے اور محفل کا انتظام و انصرام خود اپنے دست مبارک سے فرماتے ۔عبارت کا ملنا دشوار ہوا تو مَیں نے مشائخ کی بارگاہ میں فاتحہ شریف پڑھی اور عبارت کے مطابق فہرست کو دیکھنا شروع ہوگیا۔ اتنے میں آپ کو پیر خانے سے دوبارہ فون آیا۔جلدی اس لیے تھی کہ رات کتاب کو چھاپ کر تقسیم کرنا تھا۔قبلہ استاد صاحب فون سماعت کر رہے تھے ،اسی دوران عبارت میرے سامنے آئی تو مَیں نے قبلہ استادگرامی کی بارگاہ میں پیش کردی۔آپ دورانِ فون ہی کلمات تحسین فرمانا شروع ہوگئے: "ماشااللہ مولانا بڑے محنتی ہیں ،انھوں نے عبارت تلاش کر لی ہے"۔پھر عبارت کا حوالہ لکھوانے کے بعد آپ نے جامع المعقول والمنقول مولانا انوار اللہ حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "انوار احمدی" مجھ خاکسار کو اپنے دست مبارک سے اپنے دستخط فرما کر عطا کی اور فرمایا: "یہ تیرا انعام ہے"۔بندہ ناچیز کے پاس آج بھی وہ استاذ گرامی کے دستخط شدہ کتاب بطور تبرک موجود ہے۔

حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح کے بارے میں سرپرستی:

استادگرامی کی یہ دلی خواہش تھی کہ کتبِ درسیات پر ہمارے اہل سنت کے عربی حواشی ہوں۔آپ کی اس خواہش کے احترام کے پیش نظر بندۂ ناچیز نے مشکوٰۃ شریف پر عربی حاشیہ شروع کر کے آپ کو پہلے پندرہ صفحات پیش کیے، حالانکہ اس وقت تحریک لبیک کے

متعدد افراد ضروری امور کے سلسلے میں تشریف فرما تھے، لیکن استاذ گرامی اسے بڑے اطمینان سے پڑھتے رہے اور خوب حوصلہ افزائی فرماتے جاتے اور جہاں محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آتی تو آپ کے چہرے پر مسکراہٹ نمایاں ہوتی۔ آخرکار 1441ھ شعبان المعظم، میں تقریباً تین سال کے کم عرصہ کے دوران مشکوٰۃ شریف کی دو جلدوں کا حاشیہ مکمل ہوگیا۔

امیر المجاہدین کی سند مشکوٰۃ المصابیح:

حاشیہ کی تکمیل کے بعد یہ تمنا تھی کہ مشکوٰۃ شریف کی سندِ شیوخ تیار کرلوں اور پھر قبلہ استاذ گرامی کی بارگاہ میں حاضری دوں۔ اس دوران قبلہ استاذ گرامی کو فون پر اطلاع دی تو وہ نہایت خوش ہوئے اور پاس آنے کا فرمایا۔ مَیں نے عرض کی: حضور! آپ کی سند حدیث بالاجازۃ چاہیے۔ آپ نے اس پر حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے فرمایا: ''مولانا! یہ تو آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے، میری طرف سے اجازت ہے اور میں نے مشکوٰۃ شریف قبلہ استاذ حافظ (محمد عبدالستار سعیدی) صاحب سے پڑھی تھی''۔ ذیل میں آپ کی مکمل سند مسطور ہے:

یقول الفقیر العبد الضعیف أبو الحسن محمد ضمیر أحمد بن محمد منیر بن محمد بشیر بن محمد فضل الدین بن محمد شرف دین المرتضائی - غفرله ولهم -: قرأت أحادیث المشكٰوة المنتخبة على استاذ العلماء أمیر المجاهدین العلامة الحافظ خادم حسین الرضوی أمیر حزب "لبیک یا رسول الله" صلى الله عليه وآله وسلم، **فأجازنی بالاجازة العامة حین فرغت من درس الحدیث سنة 1429هـ، وبالاجازة الخاصة بعد تكمیل حاشیتی المسماة ب ''مرضاة النواجیح علىٰ مشكوة المصابیح'' كاملا فی سنة 1441هـ، وهو عن شیخ المحدثین حافظ الملة والدین الحافظ**

محمد عبد الستار السعيدى حفظه اللّٰه تعالى (مدير التعليم بالجامعة النظامية الرضوية بلاهور)، أما أسانيد الشيخ محمد عبد الستار السعيدى:

الطريق الأول:

فقد أجازه الشيخ العلام استاذ المشايخ امام المتقين شرف الملة والدين العلامة محمد عبد الحكيم شرف القادرى رحمه اللّٰه تعالى (١)، وأسانيده مذكورة فى "الجواهر الغالية من الأسانيد العالية".

أما مشكوة المصابيح فقد عرضه على رئيس المدرسين استاذ العلماء العلامة عطا محمد الجشتى الكولروى البنديالوى فأجازه، وهو يروى عن:

(أ) فقيه العصر العلامة يار محمد البنديالوى عن العلامة محمد هدايت اللّٰه الجونفورى، عن بطل الحرية العلامة محمد فضل حق الخير آبادى الشهيد، عن شيخ المشايخ الشاه محمد عبد العزيز المحدث الدهلوى، رحمهم اللّٰه تعالى. (٢)

(ب) استاذ الأساتذه فضيلة الشيخ مهر محمد الاجهروى (رئيس المدرسين الأسبق بالجامعة الفتحية بلاهور باكستان)، عن العلامة غلام محمد الجهوتوى (الگھوٹوی) الملتانى، عن المحدث وزير حسن الرامفورى، عن المحدث محمد غوث الرامفورى، عن الشيخ السيد حسن شاه الرامفورى، عن الشيخ محمد على المونكيرى، عن الشاه محمد اسحاق الدهلوى عن الشاه محمد عبد العزيز المحدث الدهلوى، رحمهم اللّٰه تعالى. (٣)

والعلامة مهر محمد الاجهروى مجاز أيضا عن العارف باللّٰه السيد

الشـريف مهـر عـلـى شـاه الـكـولـروى بـدون واسطة العلامة الجهوتوى، وسيأتى أسانيد السيد الشريف مهر على شاه ان شاء اللّٰه تعالىٰ. (٤)

(ج) عـن الـفـاضل العلامة عبد القادر عبدالرزاق (الـخـطيـب بجامع الامام الأعظم ببغداد) وأسـانيـده مـنتهاة الى المحدث عبد الغنى الدهلوى المدنى والى الامام الأعظم الأفخم أبى حنيفة نعمان بن ثابت رضى اللّٰه تعالى عنهم.

(د) عـن فـضيـلة الشيخ ابراهيم العراقى، عن أمير الملة السيد الشريف جـماعت على شاه المحدث على بورى، عن الشيخ المعمَّر المُسنِد الفقيه الـمولى فضل رحمن المجددى غنج مراد آبادى الهندى، عن سراج الهند الشاه محمد عبد العزيز المحدث الدهلوى، رحمهم اللّٰه تعالى. (٥)

الطريق الثانى:

وحافظ الملة والدين الحافظ محمد عبد الستار السعيدى حفظه اللّٰه تعالىٰ قـرأ أحـاديـث الـمشكٰوة على الشيخ الفاضل القمقام استاذ الأساتذة الـمـفتـى محمد سليمان الرضوى (رئيـس الـمـدرسيـن بدار العلوم أنوار رضا، راولبـنـدى، باكستان)، وهـو عـن شيـخ الـمشايخ مولانا عبد الغفور الجشتى الكولروى (الـجـامعة الغوثية مظهر الاسلام، راولبندى، باكستان)، وهو عن بحر الـعـلـوم مـنبـع الفيوض استاذ الأسـاتـذة مـولانـا مـحـبّ الـنبى الجشتى الكولروى، (٦) وهـو عن فاتح القاديانية العارف باللّٰه السيد مهر على شاه الـكـولـروى، عـن الشيخ الأجل المولى أحمد على السهارنفورى صاحب الـحـواشى الكثيرة، عن الشيخ الشاه محمد اسحاق الدهلوى، عن الشيخ الشاه محمد عبد العزيز المحدث الدهلوى، رحمهم اللّٰه تعالى. (٧)

(ح) والسيد الشريف مهر على شاه الكولروى عن الشيخ مولانا محمد لطف الله على جرهى بن مولانا محمد اسد الله،عن المفتى محمد عنايت أحمد الكاكوروى، وهو يروى عن:

(أ) الشيخ الشاه محمد اسحاق الدهلوى، وهو عن سراج المشايخ الشاه محمد عبد العزيز المحدث الدهلوى.(٨)

و مولانا محمد لطف الله مجاز أيضا عن الشيخ الشاه محمد اسحاق الدهلوى بدون واسطة المفتى عنايت أحمد الكاكوروى. (٩)

(ب) العلامة الكامل فى المعقول والمنقول بزرك على، عن العلامتين: الشاه محمد رفيع الدين والشاه محمد عبدالعزيز المحدثين الدهلويين، كلاهما عن والدهما الامام الشاه ولى الله الدهلوى. (١٠)

(ج) العلامة الشيخ الكبير نور الاسلام بن سلام الله بن شيخ الاسلام محمد الحنفى الدهلوى ثم الرامفورى، عن بحر العلوم العلامة عبد العلى بن نظام الدين بن امام الهند قطب الدين الدهلوى [صاحب الثبت "الدر المنظوم فى أسانيد بحر العلوم "]، والعلامة نور الاسلام أيضا عن أبيه الشيخ سلام الله، عن أبيه العلامة المحدث نور الحق الرامفورى الدهلوى، عن الشيخ المحقق عبد الحق المحدث الدهلوى (١١) [شارح مشكوة المصابيح فى اللغة الفارسية و العربية]، وهو عن الشيخ حميد الدين بن عبد الله السندى مولدا والمدنى موطنا والمكى مدفنا ، وهو عن الشيخ الامام الهمام خطيب المسجد النبوى - صلى الله تعالى على صاحبه وسلم- نور الدين

علی بن عرّاق الکنانی رحمة اللّٰہ تعالی علیہ رحمة واسعة، قال: أخبرنا بہ شیخنا أقضی القضاة شرف الدین عبد الکریم الرافعی اذنًا شفاهًا، عن الامام أبی الفتح المراغی المدنی اذنا وان لم یکن سماعا لبعضہ، قال أخبرنی بہ والدی قاضی طیبة أبو بکر بن علی بن الحسین المراغی، أخبرنا بہ العلامة امام الدین علی بن مبارک شاہ الصدیقی، قال: أخبرنا بہ مؤلف المشکوة الخطیب أبو عبد اللّٰہ محمد بن عبد اللّٰہ العمری التبریزی قراء ة لجمیعہ و اجازة لما تجدد اِلحاقہ بعد القراء ة، رحمهم اللّٰہ تعالی. (۱۲)

(ح) والسید الشریف مهر علی شاہ عن العلامة المحدث الشهیر فی الآفاق فضل رحمن غنج مراد آبادی (۱۳)، وهو مجاز عن:

(i) الشیخ الشاہ محمد عبد العزیز المحدث الدهلوی.

(ii) الشیخ الشاہ محمد اسحاق الدهلوی، وهو عن الشاہ محمد عبد العزیز المحدث الدهلوی، والشاہ رفیع الدین الدهلوی والشاہ عبد القادر الدهلوی ، الثلاثة عن الامام الشاہ ولی اللّٰہ الدهلوی، رحمهم اللّٰہ تعالی. (۱٤)

(ح) ومولانا محبّ النبی الجشتی الکولروی عن الشیخ المولی المحدث عبد اللطیف استاذ الحدیث بالمدرسة العالیة بمسجد فتحبوری دهلی (الهند)، وهو مجاز عن العلامة لطف اللّٰہ علی جرهی. (۱٥)

(ح) والعلامة محبّ النبی مجاز أیضا عن العلامة مشتاق أحمد الکانبوری عن أبیہ العلامة أحمد حسن الکانبوری، عن العلامة لطف اللّٰہ علی جرهی رحمهم اللّٰہ تعالی. (۱٦)

قدانتهى أسانيد المشايخ الى مركز الأسانيد سراج الهند شيخ المشايخ الشاه محمد عبدالعزيز المحدث الدهلوى وهو عن أبيه الشيخ احمد المدعو ب شاه ولى اللّٰه المحدث الدهلوى (م:1176هـ) وهو يروى:

(1) عن أبيه الشيخ أبى الفيض الشاه عبد الرحيم بن وجيه الدين الدهلوى الفاروقى نسبا (م:1131هـ) قراء ة وسماعة بالضبط والتحقيق، عن الشيخ مير زاهد بن محمد أسلم الهَرَوِى الهِندى ثم الكابلى (م:1101هـ) [المجاز فى الطريقة النقشبندية من الخواجه محمد معصوم النقشبندى السرهندى]، عن العلامة ميرزا محمد فاضل الحنفى البدخشانى ثم اللاهورى (م:1051هـ)، عن الشيخ يوسف الكوسج القُراباغى، عن الشيخ حبيب اللّٰه ميرزا جان الشيرازى الباغنوى (م:994هـ) (١٧)، عن جمال الدين محمود بن عبد اللّٰه بن محمود الشيرازى (م:932هـ)، عن المحقق جلال الدين محمد بن أسعد الصديقى الدَّوَانى (918هـ) (١٨)، عن أبيه أسعد الدوانى عن شرف الدين عبد الرحيم بن عبد الكريم الجِرَهى (م:828هـ) عن أبى المكارم على بن مبارك شاه الصديقى الساوى(١٩)، عن الامام حجة اللّٰه فى الأرض امام المحدثين ولى الدين أبى عبداللّٰه محمد بن عبد اللّٰه الخطيب التبريزى مؤلف مشكوة المصابيح (م:742هـ) (٢٠) رحمة اللّٰه تعالٰى عليهم.

(2) وعن أبى طاهر محمد بن ابراهيم بن حسن الكردى المدنى الشافعى (م: 1145هـ) قرأ الشاه ولى اللّٰه عليه بعض أحاديث المشكٰوة،

وهو يروى عن أبيه الشيخ ابراهيم الكُردى (م:1101هـ)، عن الشيخ أحمد بن محمد بن يونس البدرى القُشَاشى (م:1071هـ)، عن الشيخ أحمد بن على بن عبد القدوس الشِّنَّاوى (م:1028هـ)، عن الشيخ السيد غضنفر بن السيد جعفر النَهُروالى، عن الشيخ محمد سعيد بن خواجه كوهى المعروف ب مير كلاں الأكبر آبادى (م:983هـ)، [والشيخ على بن سلطان القارى شارح مشكوة المصابيح أيضا مجاز عن منبع العرفان الشيخ مير كلاں من المشايخ النقشبندية] وهو كان فى عصره شيخ مكة، عن السيد نسيم الدين محمد بن عطاء اللّٰه الحسينى المعروف ب ميرک شاه، عن أبيه جمال الدين عطاء اللّٰه بن السيد فضل اللّٰه الحسينى الشيرازى الدشتكى (م:932هـ)، عن عمه أصيل الدين عبد اللّٰه بن عبد الرحمٰن الشيرازى الدشتكى (م:883هـ)، عن مُسنِد الوقت و محدث العصر شرف الدين عبد الرحيم بن عبد الكريم الجِرَهى الصديقى (م: 828هـ)، عن علامة عصره امام الدين على بن مبارک شاه الصديقى الساوجى، وهو عن مؤلف الكتاب ولى الدين محمد بن عبد اللّٰه بن الخطيب التبريزى (م: 741هـ)، رحمهم اللّٰه تعالى. (٢١)

حواله جات

(١) فضل البارى فى أسانيد صحيح البخارى، للشيخ محمد عبد الستار السعيدى

(٢) الجواهر الغالية من الأسانيد العالية، ص: 11، المطبوعة من مؤسسة الشرف، بلاهور، باكستان، الطبعة الثانية

(٣) المرجع نفسه

(٤) فتح القوى فى أسانيد الشيخ على أحمد السنديلوى، ص:10، رابطة أهل السنة

(٥) الجواهر الغالية من الأسانيد العالية، ص:11

(٦) هـذا السند من أوله الى الشيخ مهر على شاه رحمه الله علم من خلال الاستاذ المفتى محمد سليمان الرضوى شفاهًا

(٧) فتح القوى، ص:10 (٨) المرجع السابق، ص:18، 19

(٩) المرجع السابق، ص:19 (١٠) المرجع نفسه

(١١) المرجع نفسه

(١٢) مقدمة لمعات التنقيح للشيخ المحقق، ص:95-97، دار النور، دمشق

(١٣) فتح القوى، ص:11

(١٤) المرجع السابق، ص:13، 14

(١٥) الجواهر الغالية، ص:11، الطبعة الاولى

(١٦) المرجع نفسه

(١٧) اتـحـاف الـنبيـه فـى ما يحتاج اليه المحدث و الفقيه مع حاشيته، مؤلفه: الشاه ولى اللّٰه الدهلوى، ص:74، 75، المكتبة السلفية، بلاهور، باكستان

(١٨) المرجع السابق، ص:92،93

(١٩) أنموذج العلوم (المخطوطة) لجلال الدين محمد بن أسعد الصديقى،ص:7، 8

(٢٠) اتحاف النبيه، ص: 192. نـزهة الخواطر وبهجة السوامع و النواظر [الاعلام بمن فى تاريخ الهند من الاعلام لعبد الحى الحسنى الطالبى، ج: 3، ص:234 دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الاولى

(٢١) اتحاف النبيه، ص:191، 192. العجالة النافعة للشاه عبد العزيز الدهلوى

تیرے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا

تحریر: مولانا مفتی محمد اکمل قادری، مفتی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مَیں نے درسِ نظامی کا آغاز تو شہرِ کراچی سے کیا، لیکن وہاں سے اپنے مشائخ کرام کے اِیماء وحکم سے تکمیل حضرتِ داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے شہرِ لاہور میں کی۔ اس دوران امیر المجاہدین علیہ الرحمہ سے بھی تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔

درسِ نظامی کی تکمیل کرتے ہوئے دورانِ تعلم مَیں نے کسی استاذ صاحب سے سنا تھا کہ باقی مدرسین وعلما اپنے پاس آنے والے طلبا کو عالم بناتے ہیں، لیکن جامعہ نظامیہ رضویہ میں ایک ایسی بھی ہستی ہے جو طلبا کو نہ صرف عالم بلکہ حقیقی معنوں میں انسان بناتی ہے، اس عظیم ہستی کو خادم حسین رضوی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ استاذِ گرامی کے بہت سے اوصافِ جمیلہ میں سے تین کا ذکر کرتا ہوں: حقوق العباد پر گہری نظر۔ مجاب الدعوات۔ درسِ محبت وعشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حقوق العباد کی حفاظت:

☆ درسِ نظامی کرنے کے دوران میرے والدِ گرامی علامہ مولانا محمد علی حیدری علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا۔ یہ خبر قبلہ استاذِ گرامی کے پاس پیریڈ پڑھنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی ملی، اچانک خبرِ وصال سنتے ہی ایک صدمہ ہوا۔

قبلہ استاذِ گرامی کا یہ رعب ودبدبہ تھا کہ اگر کوئی طالب علم اُن کے سبق میں تاخیر سے آتا تو اس کا عذر معقول ہونے کی صورت مقبول، وگرنہ قابلِ سرزنش ومعتوب۔ اس دن

خبرِ وصال کے سبب میں پہلی مرتبہ قبلہ امیر المجاہدین کے کمرہ میں تاخیر سے داخل ہوا، پہلے معتوب ہوا، پھر ایک ہم سبق طالبِ علم سید زادے نے میری طرف سے عذر خواہی کی تو بھی سلسلۂ عتاب جاری رہا۔ مجھے کلاس روم سے باہر نکل جانے کا حکم ملا تو آنکھوں سے چھما چھم آنسو بہنا شروع ہو گئے، کیونکہ میری وجہ سے سید صاحب کو سرزنش کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ازاں بعد استاذِ گرامی نے میرے رونے کی وجہ پوچھ ہی لی تو میں نے عرض کیا کہ ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ میرے والد گرامی کا وصال ہو گیا ہے۔ فوراً استاذ صاحب نے اظہارِ تعزیت کیا، حوصلہ دینے لگے اور والد گرامی کے حق میں دعائیں دیں۔ پھر مجھے فرمایا: بیٹا اب تم جاؤ اپنے والد صاحب کے نمازِ جنازہ میں شرکت کرو۔ فقیر نے عرض کیا: استاذ گرامی! میرے والد صاحب نے مجھے یہاں پڑھنے کے لیے بھیجا ہے میں سبق پڑھ کر ہی جاؤں گا، اس سے پہلے نہیں۔ استاذ صاحب برابر جانے کا اصرار فرماتے رہے، بالآخر حکم دیا کہ والد کے پڑھانے کا حق ادا کرو، والد صاحب کا جنازہ پڑھنے کا بھی حق ہوتا ہے، اسے بھی ادا کر کے آؤ۔ چنانچہ میں اسی وقت نمازِ جنازہ ادا کرنے چلا گیا۔

☆ دورۂ حدیث شریف کی کلاس کو سبق پڑھانے کے دوران ایک حدیثِ پاک پڑھائی جس میں نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات علیھن الرضوان کے حق مہر کا تذکرہ تھا، تو فرمایا: نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کا حق مہر کثیر مقدار میں مقرر کیا تھا۔

پھر میری طرف توجہ کی اور اپنے مخصوص انداز میں تربیت کی جس کا مفہوم درج کرتا ہوں۔ فرمانے لگے: تم نے اپنی بیوی کو کتنا حق مہر دیا تھا؟ میں نے عرض کی: 2000 روپے۔ فرمایا: زیور کتنا پہنایا تھا؟ مَیں نے مقدار بتائی تو فرمانے لگے: اُسے مالکہ بھی بنایا تھا یا وہ تمہاری ملکیت میں ہے؟ میں نے عرض کی کہ میری ملکیت میں ہے۔ فرمایا: تمام اُسے

دے دو۔ میں نے عرض کی: آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میں نے ابھی اُسے مالکہ بنا دیا۔ درسِ حدیث سے فارغ ہوتے ہی اپنی اہلیہ کو فون کیا کہ جتنا زیور آپ کو پہننے کے لیے دیا تھا، استاد خادم صاحب کے حکم سے مَیں نے اُس تمام زیور کا آپ کو مالکہ بنا دیا ہے، وہ اب آپ کا ہی ہے۔ خیر اہلیہ نے کہا: وہ تو پہلے سے ہی آپ نے مجھے دیا ہوا ہے، میں نے کہا: اُوہ گل ہور سی، تے ہن گل ہورا ے''۔

دعاؤں کی قبولیت:

☆ ہم نے قبلہ استادِ گرامی کی بہت سی دعائیں من وعن (بعینہٖ) قبولیت کے مقام فائز ہوتی دیکھی ہیں۔ دورانِ سبق جنت اور حوروں کا تذکرہ ہوا، اس سلسلے میں اُخروی ودینوی نعمتوں کا ذکر چل نکلا۔ میری طرف التفات فرمایا اور کہا: تمہاری شادی ہوچکی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ فوراً دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور طلبا کو بھی حکم فرمایا کہ اِن کے لیے شادی کی دعا کریں۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ فقیر کو صالح خاندان سے پیغامِ نکاح ملا اور دورانِ تعلم ہی شادی ہوگئی۔

☆ کچھ سالوں سے خصوصاً کفار کی جانب سے نبی آخرالزمان ﷺ کی عزت وناموس پر مختلف طریقوں سے حملے ہو رہے تھے اور امسال میں تو فرانس کے صدر لعنۃ اللّٰہ تعالی علیہ وعلی معاونیہ نے سرکاری طور پر رسول اللہ ﷺ کی توہین کی سرپرستی کی۔ قبلہ امیر المجاہدین علیہ الرحمہ نے گستاخوں کے خلاف پوری دنیا خصوصاً ملکِ پاکستان کے غیور مسلمانوں کو بار بار متنبہ کرتے رہے اور برملا مرتدین وگستاخان کے خلاف حکومت سے اعلانِ جہاد کا مطابہ بھی کرتے رہے، لیکن کوئی خاطر خواہ کاروائی اس کے سدباب کے لیے

ذمہ دار اداروں اور صاحبانِ اقتدار کی جانب سے دیکھنے میں نہ آئی۔ بہت سے عشاقانِ مصطفیٰ ﷺ کی موجودگی میں استاذِ گرامی نے اعلانیہ اس طرح دعا مانگی: ''یا اللہ اس سے پہلے کہ مَیں تیرے نبی ﷺ کی شان میں توہین ہوتے دیکھوں مجھے موت دے دے، مجھے اندھا کر دے''۔ بعدہ گستاخوں نے توہین کی جسارت کر دی تو قبلہ استاذِ گرامی یہ صدمہ نہ برداشت کر پائے اور اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

عشقِ رسول ﷺ:

☆ استاذِ گرامی علیہ الرحمہ کا درس وتدریس میں ایک نمایاں وصف یہ بھی تھا کہ جہاں نبی کریم ﷺ یا اہل بیت وصحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے کوئی متشابہ عبارت ہوتی تو آپ علیہ الرحمہ اس عبارت کا مضمون اس انداز سے بیان فرماتے کہ طلبا کے ایمانوں میں پختگی اور ان نفوسِ قدسیہ سے محبت کی وارفتگی قائم ہو جاتی۔

تشنگانِ علم وطلبائے حدیث جانتے ہیں حضرتِ سیدنا ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک غلطی ہوئی اور اُن پر شرعی حدّ جاری کی گئی۔استاذ گرامی جب یہ حدیثِ پاک پڑھانے لگے تو پہلے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل بیان کیے، پھر ان کی لغزشوں کو اللہ تعالیٰ کی حکمت قرار دیتے ہوئے فرمانے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے امتحان کے لیے بعض صحابہ کا انتخاب فرمایا کہ اِن سے جرم ولغزش صادر ہو، پھر وہ نفوسِ قدسیہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں آ کر اپنی سزا کا مطالبہ کریں۔اصل میں اللہ تعالیٰ صحابۂ کرام کے واسطے سے دائمی قانون بنانا چاہتا تھا، اُس وقت اللہ تعالیٰ کے قانون پر پورا اُترنا صرف صحابہ کا خاصہ تھا، اس لیے کسی صحابی رسول ﷺ سے ایسا واقعہ رونما ہوا''۔

پھر فرمایا:

''ایسے واقعات عوام الناس میں کبھی بیان نہ کیجیے گا، بعض لوگ بے ادب و گستاخ ہوتے ہیں، وہ صحابہ پر تنقید کریں گے، وہ بے ادب لوگ صحابہ کی لغزشوں کے حوالے دیکر امت کو گمراہ کریں گے، اس لیے یہ حدیث آپ کے پاس امانت ہے، یہ امانت صرف اس کے اہل کو ہی پہنچانی اور پڑھانی چاہیے''۔ پھر حدیثِ پاک تلاوت فرمائی۔ حدیثِ پاک کے علمی وادبی پہلوؤں کو آشکارا کرتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے۔ پھر فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ کی غلامی ومحبت کا دامن نہ چھوڑنا، اُن سے پیار کرلو، وہ معاف کرتے بھی ہیں اور معافی دلاتے بھی ہیں''۔

☆ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل والے دن سب طلبا کو فرمایا: آپ سب اپنے اپنے تأثرات بیان کریں کہ دورانِ تعلیم کیسا گزرا اور اساتذہ کو کیسا پایا؟ طلبا اپنے اپنے تاثرات بیان کرتے رہے اور قبلہ استاد صاحب محظوظ ہوتے رہے۔ آخر میں مَیں فقیر نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

(۱) استاذِ گرامی ہم رسول اللہ ﷺ سے کماحقہٗ محبت کرنے سے جاہل تھے، آپ نے ہمیں رسولِ پاک ﷺ سے ٹوٹ کر اور بے لوث وغیر مشروط محبت و پیار کی چاشنی عطا کی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر دو وصف رکھے ہیں: صفتِ جلال وصفتِ جمال، آپ کا جلال جمال پر غالب ہے، اگر جمال جلال پر غالب ہو جائے تو پھر کیا ہی کہنے۔

جانے والے تیرے قدموں کے نشاں باقی ہیں

(امیرِ عزیمت، پیکرِ استقامت کے ساتھ وابستہ چند یادیں اور باتیں)

تحریر: مولانا محمد طاہر عزیز باروی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ

مضمون کی طوالت وضخامت کے سبب مضمون نگار کی اجازت سے بعض جگہ حذف وترمیم سے کام لیا گیا ہے۔(ادارہ)

مادرِ علمی مرکزِ علم وعرفان، آبشارِ نور وحکمت جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کی کرم نوازیوں کا گزشتہ دو عشروں سے مرہونِ منت اور ممنونِ کرم ہوں۔

یہاں کئی نور نور چہروں کی زیارت بلکہ ان کی دست وقدم بوسی کی بارہا سعادت ملی۔ اِن میں مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہما الرحمہ، سعیدالامہ شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی، جانشینِ سعدی علامہ محمد منشا تابش قصوری، ادیبِ شہیر علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی، شیخ الحدیث علامہ ڈاکٹر فضل حنان سعیدی اور دیگر کئی جید اساتذۂ کرام اور علماء کبار مدظلہم کے ساتھ ساتھ ایک ایسی شخصیت کے ساتھ بھی شرف ملاقات وزیارت اور ان کے فیض گوہر بار سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا جو سیدنا امام عالی مقام، نواسہ رسول ﷺ، جگر گوشۂ بتول، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے سچے اور سُچّے خادم تھے، بلکہ یوں کہیے کہ اسم بامسمّٰی تھے۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ وہ جس شخصیت کے ساتھ نسبت کے حامل تھے دنیا اُسے عشقِ رسالت مآب ﷺ کا سب سے بڑا نام اور استعارہ سمجھتی ہے اور وہ نام اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ کا ہے۔

قارئین کرام! ممدوح گرامی کو پیکرِ عزیمت واستقامت کہا جائے یا جرأت وبہادری کا ایک خوبصورت عنوان، کشتۂ عشقِ حبیب کہا جائے یا فنافی الرسول کے مقام پر فائز ایک عاشق صادق، علم وعرفان کا بحرِ قلزم کہا جائے یا معرفت وحقیقت کے سمندروں کا غواص، درس وتدریس کا شاہسوار کہا جائے یا تحقیق وتصنیف کا بحرِ ذخار۔ الغرض کوئی بھی لقب یا عنوان اس قدسی صفت، پاکیزہ کردار کے حامل شخص سے متضاد یا ان کی شخصیت سے مختلف نظر نہیں آئے گا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے عقیدت:

اعلیٰ حضرت سے اُن کی عقیدت کا عالم یہ تھا کہ تقاریر میں اُن کے علمی نکات بیان فرماتے اور تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے تحت الشہادۃ العالمیہ کے امتحان کے لیے لکھے جانے والے مقالہ کا عنوان بھی ''اعلیٰ حضرت بحیثیت مرجع العلماء'' منتخب کیا۔ اب یہ مقالہ فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ) کی پہلی جلد کی زینت ہے۔ مسکرا کر فرماتے: ''جس نے اعلیٰ حضرت کا فتاویٰ پڑھنا ہوگا وہ پہلے میرا مقالہ پڑھے گا''۔

معمولات ووظائف:

ان کے حالات زندگی کے مطالعہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن سے ہی علم وعمل کی دنیا کے شناسا تھے اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ صبح سورۃ یاسین اور شام کے وظائف کے بارے خود فرماتے کہ ابتدا سے ہی میرے ذہن میں اللہ کی طرف سے یہ بات پیدا ہوگئی کہ مَیں نے روز سونے سے قبل سورۂ محمد کی تلاوت کرنی ہے اور یہ ان کا زندگی بھر معمول رہا اس کے علاوہ تسبیح فاطمہ (سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، [بخاری:6318]) کے مستقل عامل

تھے۔علاوہ ازیں وہ مستقلاً دلائل الخیرات شریف اور حزب البحر کے قاری اور عامل تھے اور کبھی کوئی شاگرد یا عقیدت مند وظیفہ پوچھتا تو یہی چند چیزیں ارشاد فرماتے۔

لباس اور چلنے کا انداز:

مزاج میں نفاست تھی، اسی لیے ہمیشہ صاف ستھرا اور اصل کاٹن کا بغیر مایہ لگا شلوار قمیص استعمال کرتے اور شنید یہ ہے کہ یہ کپڑا اُنہیں بطور خاص ان کے مرشد گرامی بھجوایا کرتے۔اس کے علاوہ نسواری گاڑھے رنگ کی پگڑی ، اسی رنگ کی ٹوپی اور ایک رنگدار چادر (لُنگی)ان کے کندھے پر موجود رہتی، جو ان کی دیکھا دیکھی بہت عام ہوئی، مگر جس شان اور خوبصورتی کے ساتھ چادر ان کے کندھے پر دیکھی وہ کہیں اور نظر نہ آئی۔ چلنے میں بہت تیز رفتار تھے اور چلتے ہوئے چادر کا ایک کونا عموماً بائیں ہاتھ سے منہ اور ناک پر رکھتے یا کبھی کبھار اُس کا کونا دانت کے نیچے دیتے تا کہ تیز چلنے یا ہوا کی وجہ سے وہ اُڑنے یا گرنے سے محفوظ رہے۔ چلنے کا خاص یہ انداز ہوتا کہ جیسے وہ کسی اونچائی سے نشیب کی طرف آ رہے ہوں۔فرماتے کہ یہی انداز سنت رسول ﷺ ہے،اور مَیں نے مجاہد ملت علامہ عبدالستار خان نیازی کے علاوہ اس طرح فطرتی طور پر کسی کو چلتے نہیں دیکھا۔

سادگی اور نفاست:

استاذِ گرامی کی طبیعت میں نفاست ونزاکت کے باوصف سادگی کا عنصر غالب تھا اور کھانے پینے میں بھی وہ بہت سادہ مزاج کے مالک تھے۔کئی بار کلاس سے فارغ ہوتے تو فرماتے: ”جا بھئی منڈے! لنگر لے آ“ وہ لنگر جامعہ کا طلبا کے لیے پکا ہوا سادہ سا کھانا ہوتا۔ وہی کھاتے اور اگر دال ہوتی تو پھر ہری مرچ اور بازار سے سادہ دہی منگواتے اور وہ ساتھ

کھاتے ۔ایک بار مجھے بھیجا کہ جاؤ دہی پکڑ لاؤ۔ میں نیسلے کا دہی لایا۔فرمایا: اونئیں جھلیا! ملک کولوں کھٹا دہی لے آ'' (ملک سے کھٹا دہی لے آ)۔میں وہ لایا تو وہ کھایا اور فرمایا: ''جب دال کھاؤ تو یہ کھالیا کرو، لاہور میں موسم شدید گرم ہوتا ہے اور اس موسم میں دال طبیعت کے موافق نہیں رہتی، دہی کھالیا جائے تو اس کی تاثیر مناسب ہوجاتی ہے اور اگر اس میں پودینے اور سبز دھنیے کی ملاوٹ ہوجائے تو پھر سالن کی ضرورت ہی نہیں رہتی''۔

اس سب کے باوصف وہ بہت حساس اور انتہائی نفیس طبیعت کے مالک تھے۔کبھی اُن کے بال بڑھے دیکھے نہ اُن کے کپڑے پر کوئی ہلکی سی سلوٹ یا داغ، یہاں تک اُن کے جسم پر کبھی خشکی کے آثار تک دکھائی نہ دیے۔اُن کا دماغ اور جسم ہمیشہ تروتازہ نظر آیا۔

قوتِ حافظہ:

رب قدیر جل وعلا کی طرف سے اُنہیں خصوصی طور پر جو قوت حافظہ عطا کی گئی اس کی نظیر کم ملتی ہے۔قرآن مجید کے بہت پختہ حافظ اور حدیث پاک کا غیر معمولی ذخیرہ ان کے دماغ میں محفوظ تھا، سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں واقعات ان کی نوک زبان پر رہتے، سینکڑوں قصائد اور ہزاروں عربی و فارسی اشعار تو جیسے ایک جست میں پڑھ ڈالیں۔اس کا ہمیں تجربہ ان سے ''سبعہ معلقہ'' اور عربی ادب کی دیگر کتب پڑھتے وقت ہوا۔بہت کم ایسا ہوا کہ انہوں نے سبعہ معلقات، حماسہ اور متنبّی کے کسی شعر کی کوئی نظیر کسی صحابی یا کسی پاک طینت بزرگ کے کسی قصیدے سے نہ دی ہو۔اس کے علاوہ کلام اقبال، کلام رضا اور اکبرالہ آبادی کے کلام کے بھی حافظ تھے۔اور آخرالذکر تین شعرا اُن کے پسندیدہ شعرا تھے۔ فتاویٰ رضویہ کا خطبہ اُن کا پسندیدہ خطبہ تھا اور وہ اسے عموماً تقاریر میں پڑھ کر سناتے اور

خصوصیت بتاتے کہ اعلیٰ حضرت نے جن کتب سے استفادہ کیا ان کتب کے اسما اُنہوں نے اپنے فتاویٰ کے خطبے میں بحیثیت اوصاف نبی ﷺ استعمال کیے اور وہ پڑھتے بھی اپنے مخصوص انداز میں۔ کہا کرتے: ''تم نہیں سمجھے، کوئی عربی یہ خطبہ سنے تو وجد میں آ جائے''۔

تدریس کی یادیں:

تقریباً تیس سال وہ تدریس سے وابستہ رہے اور ہزاروں علمائے کرام کو پڑھایا۔ ہر کتاب کا پڑھانے کا انداز اس فن کے تقاضوں کے مطابق ہوتا، کسی بھی سبق کے ساتھ صرفی نحوی بحث اس کا لازمہ اور محبتِ رسول ﷺ کا پیغام اس کا تتمہ ہوتا۔

☆ جلالین شریف میں جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آیا تو فرمانے لگے: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے چودہ ہزار جادوگروں کو ایمان کیسے نصیب ہوا، حالانکہ وہ مقابلہ کے لیے آئے تھے؟ فرمانے لگے: ''اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے، انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا: " آپ پہل کریں گے یا ہم؟"، یہ حسنِ ادب، اظہارِ تواضع اور تعظیمِ نبی ﷺ ہے اور اِسی کی بدولت اللہ کریم نے ان لوگوں کو ایمان کی دولت سے مالا مال فرما دیا''۔ پھر اپنے خاص انداز میں فرمایا: ''جھلیو! ایک لمحے کی نبی کی تعظیم اور وہ بھی نبی جان کر نہیں بلکہ ایک عام انسان یا جادوگر سمجھ کر، یہ بھی رب کی بارگاہ میں اتنی مقبول ٹھہری کہ انہیں دولت ایمان سے مالا مال کر دیا گیا تو جو اللہ کے نبی کو نبی ﷺ سمجھ کر تعظیم کرے گا تو اللہ اُسے کتنا نوازے گا؟''

☆ ایک بار دورانِ سبق مَیں اپنی مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ اُستاذ دیکھ رہے ہیں، توجہ ہونے پر مَیں نے ہاتھ مونچھوں سے نیچے کیا اور معذرت کی۔ فرمانے لگے: معافی ایسے نہیں ملے گی۔ میرے ہم نشین سے فرمایا: ''دونوں ہاتھوں سے اس کی

مونچھیں کھینچ، یہ ہمیں تاؤ دکھا رہا ہے اور اس کے انداز سے تکبر کی بُو آئی ہے، اس کی طبیعت صاف کر"۔ خیر ہماری مونچھیں کھینچی گئیں......آنکھوں سے پانی نکلا، ہم نے معذرت کی۔ فرمایا: "چل اب معافی ہے"۔

انہیں ہمارے ہم کلاس مولانا امجد ساجد رضوی کی مونچھیں پسند تھیں، بلکہ ایک مرتبہ اپنے ہاتھوں سے ان کی مونچھوں کو تاؤ دیا اور فرمایا: "اُو مچھو! جدوں کوئی گستاخِ نبی نظر آوے، اینہاں نوں وٹ کے کھنگھورا ماریں، اُوہ ایسے کھنگورے نال ای نس جائے گا"۔ ساتھ ہی نم آنکھوں سے ارشاد فرمایا: "ایک صحابیِ رسول اپنی لمبی مونچھوں کو گدی پر گرہ لگاتے تھے، ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا: "مونچھیں کب تراشی ہیں؟" عرض کی: ابھی تراشی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب تبھی تراشنا جب مجھ سے اگلی ملاقات ہو"۔ اگلی بار حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے۔ اس کے بعد پوری زندگی اُنہوں نے مونچھیں نہیں کاٹیں۔ کوئی کاٹنے کا کہتا تو فرماتے: "اب میں تبھی مونچھیں تراشوں گا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگلی ملاقات ہوگی۔ (ابن عساکر، ج: 67، ص: 294)

درسِ حدیث کا انداز:

☆ حدیث پاک پڑھانے سے قبل قصیدہ بردہ شریف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب حضرت معد بن عدنان رضی اللہ تعالی عنہما تک درودِ پاک کی صورت میں ضرور پڑھتے اور پڑھاتے اور روزانہ قصیدہ بردہ شریف کا ایک شعر مع ترجمہ وتشریح سمجھاتے، اور تاکید بھی کرتے کہ حدیث پاک شجرۂ طیبہ اور قصیدہ بردہ شریف کے بغیر کبھی نہیں پڑھنی۔

☆ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سبق میں محدثین سراپا ادب اور مجسم عجز وانکسار نظر آتے اور یہی طریقہ ہم نے اپنے اساتذہ کا دیکھا، سیکھا۔ مگر ایک چیز جو ان میں دیگر محدث اساتذہ

سے ممتاز تھی کہ حدیث کے دوران طلبا کو بھی کسی قسم کی کوئی منافیٔ ادب سرگرمی کی اجازت نہ تھی، یہاں تک کہ جسم پر معمولی سی خارش کرتے بھی کسی کو دیکھتے تو شدید نالاں ہوتے اور بہت جلال کا اظہار فرماتے، یہاں تک کہ کبھی حدیث پاک کی کوئی کتاب اُلٹی یا ٹیڑھی، مناسب سمت کے خلاف دیکھتے تو بھی نالاں ہوتے۔

☆ ایک دن ہمارے ایک ہم سبق نے حدیث پاک کی عبارت شروع کی تو پہلا لفظ ہی ان سے غلط ہو گیا (درس و تدریس سے وابستہ افراد اس بات سے واقف ہیں کہ طلبا میں یہ بہت معمولی بات ہوتی ہے)۔ پہلے لفظ پر غلطی سنتے ہی جلال میں آگئے، کلاس کو باہر نکال دیا اور سبق نہیں پڑھایا، واپس تشریف لے گئے اور بار بار فرماتے: ''تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ یہ کوئی عام کتاب نہیں، حدیث نبی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور اس میں غلطی یا عدم توجہ تو ناقابل معافی ہے''۔ دروازے پر چند طلبا اکٹھے ہو کر گئے اور معافی مانگی، تب معاف بھی کیا اور کثیر رقم سے سب طلبا کو نوازا۔

☆ ہم مشکوۃ شریف پڑھتے تھے تو ان دنوں ان کی کتاب تعلیلاتِ خادمیہ زیرِ طبع تھی تو مجھے اس کتاب کی فوٹو کاپی کروانے کے لیے بھیجا، کتاب کے صفحات زیادہ ہونے کی وجہ سے وہاں ٹائم بھی کافی لگ گیا اور جب واپس آیا تو سبق ختم ہو چکا تھا اور استاذ صاحب جا چکے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد مجھے فون کیا اور فرمایا: ''اُردو بازار والے گول چکر تک آجاؤ اور مشکوۃ شریف بھی ساتھ لے آؤ''۔ مَیں فوٹو کاپی اور مشکوۃ شریف لے کر پہنچ گیا، اس دن حرمت شراب پر کچھ احادیث پڑھائی تھیں تو مجھے وہ سارا سبق وہیں گاڑی میں پڑھایا اور شراب کی حرمت اور اس کی پچیس کے قریب موجود اقسام پر مشتمل اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ ایک پیپر عنایت کیا اور فرمایا: ''یہ کوئی عام پیپر نہیں، جب ہم نے مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم

ہزاروی کے پاس یہی حدیث پڑھی تھی تو اُنھوں نے لکھوائی تھیں، آج میں نے وہ اپنا پیپر تمھیں دے دیا ہے''۔ زہے نصیب۔

☆ احادیث کی تشریح میں تو وہ بعض اوقات ایسے ایسے علمی، فکری، روحانی اور عشق رسالت مآب ﷺ میں ڈوبے ہوئے نکات بیان کرتے کہ انسان اش اش کر اٹھتا۔ وہ منظر کبھی ہماری یادداشتوں سے محو نہیں ہوسکتا کہ جس دن رسول اکرم ﷺ کے وصال مبارک والی حدیث پڑھائی تو عالم یہ کہ لگتا تھا آج جگر پھٹ جائیں گے اور ایک بات کرتے کرتے انہیں شاید دس منٹ سے زیادہ لگ گئے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد تین سو سال تک زمین پر کوئی بندہ مسکرا نہیں سکا اور چادر منہ پر رکھ کر ہمارے استاذ بلک بلک روئے۔ اُس دن ہمیں اندازہ ہوا بوقتِ وصالِ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کیا حالت ہوگی۔

بقولِ اعظم چشتی مرحوم:

اجے توں میرا محبوب نئیں ڈِٹّھا — جنوں ویکھ کے چن شرماوے

بجلی ڈردی لِشک نہ مارے — مَتے بے ادبی ہو جاوے

☆ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ استاذ گرامی درسِ حدیث کے دوران چارزانو نہیں بیٹھتے تھے۔

☆ حدیث پاک سے استدلال میں وہ سب سے زیادہ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی علیہ الرحمہ سے متاثر تھے۔

☆ استاذ گرامی کی حدیث پر گفتگو نبّاضِ قوم الحاج ابوداؤد محمد صادق رضوی علیہ الرحمہ کے مرید جناب شیخ اظہر صاحب کے پاس ریکارڈ ہے۔ اللہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، انھوں نے ہمارے استاذِ گرامی کی بہت خدمت کی اور ہمیشہ ساتھ نبھایا۔

☆ جب تک اکابر قائدین موجود تھے یا یوں کہیے کہ جب تک ملی وسیاسی قیادت کا بوجھ

آپ کے کندھوں پر نہیں آن پڑا تھا تب تک وہ مسلسل مسند تدریس کی زینت رہے اور معقولات ومنقولات کی تقریباً سبھی کتب پڑھائیں۔ ہر جانب آپ کی تدریس کا شہرہ ہونے لگا۔ان کے زمانۂ تدریس میں ہی اہلِ دل اُن سے محبت کا دم بھرتے اور وہ اہلِ مطالعہ وکئی صاحبِ دل لوگوں کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔کسی بھی محقق کو کسی قدیمی کتاب، قصیدے یا شعر یا کسی مخطوطے کے متعلق پوچھنا ہوتا تو ان کے پاس حاضر ہوتا۔

اکثر یہ بات سناتے کہ میں صرف کی کلاس پڑھا رہا تھا، عام سی دھوتی کرتے میں ملبوس سر پر سادہ سی دستار رکھے ایک بزرگ آوارد ہوئے، میں نے سلام دعا کی اور آنے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے: ''میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ ایک کتاب ڈھونڈ رہا ہوں، وہ نہیں مل رہی، کتاب تو میرے علم میں ہے کہ نایاب ہے مگر میرا کام فقط اس عبارت سے ہے، اگر یہ کہیں اور مل جائے تو میرا کام ہو جائے گا''۔استاذ فرماتے: ''اُن کے عبارت پڑھنے کے انداز سے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی عام آدمی نہیں''۔میں نے فوراً اپنا مصلیٰ چھوڑ دیا اور ساتھ بٹھایا۔عبارت پر گفتگو کی اور اُن کی مکمل تسلّی اور تشفّی ہوگئی تو پھر نام پوچھا۔فرمایا: مجھے محمد افضل فقیر کہتے ہیں۔

صوفی محمد افضل فقیر عصرِ حاضر کے بہت بڑے ادیب،صوفی اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں مقبول شاعر تھے۔ان کی شعری ثقاہت کا یہ عالم تھا کہ محترم حفیظ تائب، حضرت پیر نصیر الدین نصیر (گولڑہ شریف) ایسے بڑے بڑے لوگ بھی کئی کئی راتیں جاگ کر ان سے اپنی شاعری کی اصلاح لیا کرتے۔استاذ گرامی ہمیشہ ان کا یہ شعر پڑھتے:

جب روح مری نکلی پیراہن خاکی سے
وہ میرا فقیر آیا روضے سے ندا آئی (جانِ جہاں،ص:27)

(استاذ گرامی اس میں کچھ ترمیم کر کے پڑھتے کہ جب روح میرے پیراہن خاکی سے نکلی......تو روضے سے آواز آئی اومیرا فقیر آیا)

طلبا کی حوصلہ افزائی:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ظاہر طور پر طبعاً سخت دکھائی دیتے، مگر قریب جا کر اندازہ ہوتا کہ وہ بہت نرم دل ہیں اور چھوٹی چھوٹی سی بات پر طلبا کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرتے۔ اگر کوئی طالب علم ان کے معیار پر پورا اُترتا تو اس پر بہت زیادہ توجہ دیتے۔ طلبا کو اکثر انعامات میں کتب بھی عطا فرماتے اور جو کتاب دیتے اس کی اہمیت بھی ارشاد فرماتے۔ میرے پاس کوئی نصف درجن سے زائد کتب ہوں گی جو ان کی عطا کردہ ہیں۔

سبعہ معلقات پڑھتے جس دن دوسرا معلقہ شروع کیا تو استاذ گرامی فرمانے لگے کہ کسی کو پہلا معلقہ آتا ہے تو سنائے۔ ہماری کلاس سے مولانا محمد مبارک عطاری (لاہور) نے کھڑے ہوکر بغیر کسی غلطی کے وہ بھی زبانی پورا معلقہ سنا دیا۔ اس پر وہ بہت مسرور ہوئے، پھر مولانا مبارک کو شام سے آئے ہوئے کثیر تحائف، 1100 روپے اور کافی انعامات دیے۔

تلامذہ ان سے کسی بھی معاملہ میں مشورہ طلب کرتے تو وہ بہت احسن انداز میں راہنمائی فرماتے۔ فاضل اجل علامہ محمد طاہر شہزاد سیالوی (ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ غوثیہ، لاہور) نے ملعون گورنر سلمان تاثیر کی بنائی گئی سوسائٹی (پیس وڈ لینڈ، لاہور) میں جمعہ پڑھانے کا آغاز کرنا چاہا تو اُن کے پاس مشورے کے لیے حاضر ہوئے اور بتایا کہ وہاں کی مقامی آبادی کے لوگ جمعہ کے لیے اصرار کر رہے ہیں، اس بارے آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمانے لگے: وہ ملعون واصلِ جہنم ہو چکا، یہ سوسائٹی اس کی بیوی کی ملکیت ہے۔ دوسرا اِس جگہ پہ تو عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام عام کرنے میں خوب مزہ آئے گا۔ چنانچہ علامہ محمد طاہر شہزاد سیالوی صاحب

وہاں جتنا عرصہ خطیب رہے استاذ جی بہت تحسین فرماتے کہ دشمنوں کے سینے پہ پاؤں رکھ کے عشق رسول ﷺ بیان کرنا، یہ بھی بہت بڑی سعادت ہے۔ جس دن غازیٔ اسلام غازی ممتاز حسین قادری علیہ الرحمہ کی شہادت ہوئی تو غازی صاحب پر مسلسل خطبات ارشاد فرمانے کی وجہ سے اس جگہ کو چھوڑنا پڑا، مگر انہوں نے کسی بات پر سمجھوتہ نہ کیا اور جب قبلہ امیر المجاہدین کو معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے کہ ہم جگہ کی قربانی دے دیں گے مگر اپنے نظریات سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

خوبصورت تلاوتِ قرآن کریم کی ترغیب:

جلالین شریف میں قرآن کریم کے عربی ہونے کے متعلق آیت مبارکہ (طہ:113) کا سبق آیا تو فرمانے لگے: علما کو قرآن مجید اچھے انداز میں عرب لہجے میں پڑھنا چاہیے اور خود اسی آیت سے آگے پورے دو رکوع سنائے کہ یوں پڑھنا چاہیے اور پھر مجھے فرمانے لگے: تُو سنا۔ میں نے امام حرم الشیخ سعود الشریم کے لہجے میں شاید ایک رکوع سنایا تو فرمانے لگے: قرآن پڑھنے لگو تو اچھے تلفظ کے ساتھ اپنی اصل آواز میں پڑھو اور کسی عاشق رسول ﷺ کے لہجے میں پڑھو تاکہ قاری اور سامع کے ذہن میں عشق رسول ﷺ کی خوشبو رچی رہے۔ پھر اور بھی کچھ دوستوں سے قرآن مجید کی تلاوت سنی اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ علما کے لیے تجوید وقراءت پڑھنا بہت اہم ہے۔ بندہ تجوید پڑھا ہوا ہو، قرآن مجید کی تلاوت اچھے انداز میں کرتا ہو اور تقریر ٹھیک نہ بھی کرتا ہو تو قرآن کی برکت سے لوگ مسحور ہو جاتے ہیں۔ اگر علمائے کرام نے اس جانب توجہ نہ کی تو ایک دور آئے گا، بڑے بڑے علمائے کرام کے لیے تجوید نہ پڑھا ہونا مسئلہ بن جائے گا۔

خدمتِ مسجد کی ترغیب:

ہمیں اکثر ارشاد فرماتے کہ کبھی پیسوں کی خاطر مسجد نہیں تبدیل کرنی، دین تمہیں کبھی بھوکا نہیں رہنے دے گا۔ وہ فرماتے: ''جو بندہ اسٹیج پہ چیخ چیخ کے کہتا ہے: جتنا دیا سرکار نے مجھ کو اتنی میری اوقات نہیں اور پھر دیکھے پیسے کو، تو وہ بہت بڑا منافق ہے۔ مومن بنو، دیکھو میں نے اپنی مسجد میں اتنا عرصہ گزارا ہے اور آج بھی تنخواہ اُتنی ہے، مگر میرے پاس سب کچھ ہے''۔ مَیں نے اس مسجد میں سات سال اِس کے واش روم اور نالیاں اپنے ہاتھوں سے صاف کیے ہیں، تاوقتیکہ انتظامیہ نے خود کہا کہ اب حالات بہتر ہیں ہم آپ کا کوئی نائب رکھ لیتے ہیں، آپ بس نماز اور جمعہ کی امامت کیا کریں''۔

محافظِ ناموس صحابہ:

سیدنا ماعز اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے غلطی سرزد ہونے اور پھر اُن پر حد جاری ہونے سے متعلق حدیث پاک آئی تو خلافِ معمول حدیث کی تشریح سے پہلے طویل گفتگو فرمائی، اسنادِ حدیث کا ذکر کیا اور طلبا کے ذہن میں یہ بات راسخ کی کہ کبھی بھول کر بھی کسی صحابیِ رسول ﷺ کے متعلق ذہن میں غلط خیال مت لانا ورنہ اپنے اعمال ضائع کر بیٹھو گے اور یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کوئی عام ہستیاں نہیں بلکہ رب قدیر نے پوری مخلوق کے دلوں پر نظر فرمائی، ان میں سے جو بہترین دل تھے ان کا انتخاب صحابہ کے طور پر کیا۔ ساتھ یہ مصرع دہراتے ''دھد حق عشقِ احمد بندگانِ چیدۂ خود را''

فرمانے لگے: ''مَیں اپنے پیر صاحب کے پاس بیٹھا ہوتا ہوں تو سانس لینا بھی مشکل ہوتا ہے اور وہ تو نبی اکرم ﷺ کی صحبت پاک میں تھے، تو پھر کیسے یہ سب ہو گیا؟

جھلّیو ! صحابہ کرام علیہم الرضوان وہ مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے صرف تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے ہی قربانیاں نہیں دیں، بلکہ انہوں نے دین اسلام کے نفاذ کے لیے بھی قربانیاں دی ہیں، تاکہ کل کوئی یہ نہ کہے کہ اسلام کے قوانین اتنے اہم تھے تو حضور ﷺ نے خود نافذ کیوں نہ فرمائے؟ یہ ان کی قربانیاں ہیں کہ اسلام پر کوئی بندہ سوال نہیں اٹھا سکتا''۔

مشاجراتِ صحابہ کے متعلق نظریہ:

مشاجراتِ صحابہ پر کبھی گفتگو نہ کرنے دیتے۔ فرماتے: ''اللہ کے محبوب اور حضور اکرم ﷺ کے فیض یافتہ لوگ ہیں، ان کے معاملات ان کے پاس، ہمیں کس نے قاضی بنایا ہے کہ ہم اُن کے درمیان فیصلہ کریں''۔ سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مابین ہونے والے معاملات سے متعلق فاضل بریلی کا یہ جملہ پڑھتے: ''حق بدستِ حیدرِ کرار ......مگر معاویہ بھی ہمارے سردار......طعن اُن پر بھی کارِ فجار''۔ لیکن حبِ علی کی آڑ میں کبھی کسی بھی صحابی پر زبان درازی کو گوارا نہ کیا۔ ابھی کچھ عرصہ قبل مشاجراتِ صحابہ کی آڑ میں کچھ لوگوں نے ناموسِ صحابہ پر خصوصاً سیدنا امیر معاویہ اور سیدنا ابوسفیان کے معاملے میں اپنے بغض باطن کا اظہار کیا تو ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: ''دُر دُر کتیو! مالکاں نوں وی پئے گئے او'' یہ جملہ ان کے منہ سے ادا ہوا اور ایک تاریخ رقم کر گیا۔

اہلِ شام کے ساتھ محبت اور اُس کی وجہ:

ان کے دورۂ شام کے بعد وہاں کے کچھ شیوخ اُنہیں ملنے جامعہ آئے۔ صبح اسمبلی کے بعد مجھے بلا کر فرمایا: آج پتہ چلے گا کہ تم میں کتنی انتظامی صلاحیت ہے؟ شام سے کچھ شیوخ تشریف لا رہے ہیں، اُن کے ناشتے کا انتظام کرنا ہے، مگر ناشتہ کھانے کی طرح ہو

کہ وہ دو پہر کو کھانا نہیں کھاتے اور فرمانے لگے: ''یاد رکھنا وہ شام کے لوگ ہیں اور ایک دعا میں حضور ﷺ نے شام کو اپنا شام کہا ہے، اسی لیے انہیں حضور ﷺ نے اپنا کہا ہے، ان کے لیے ناشتے کا انتظام کرنا ہے''۔ میں نے اپنے قائد محترم علامہ محمد حبیب احمد سعیدی کے ساتھ مل کر انتظام کیا۔ ان کا استقبال، جامعہ کا وزٹ اور اساتذہ وطلبا سے ملاقات کا شیڈول، جب ان کے سامنے تفصیل رکھی تو وہ بہت مسرور ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

تعظیمِ جگر پارۂ مصطفیٰ:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت محبت تھی۔ فرماتے کہ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی علیہ الرحمہ کے سامنے کسی نے کہا: سیدہ فاطمہ، حضور اکرم ﷺ کی بیٹی، تو انہوں نے ٹوک دیا ''بیٹی نہ کہا جائے، یہ عام لفظ ہے، وہ حضور ﷺ کی شہزادی ہیں''۔

فرماتے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو الفاظ کی بات ہے۔ فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ کی اٹھائیسویں جلد میں لکھا ہے: ''خصوص کا اِنکار نصوص کے انکار کی طرف لے جائے گا''۔

آج کل سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات اقدس موضوع سخن ہے۔ ہمارے استاذ گرامی وہ تعظیم وتوقیر کی ٹکسال میں ڈھلے خوبصورت انسان تھے کہ جب حدود اللہ میں سفارش ناجائز ہونے والی معروف حدیث پاک کا ذکر آتا تو یوں ترجمہ کرتے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ کمزوروں پر تو حد قائم کرتے اور بلند مرتبہ لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر خاندانِ رسالت کی کوئی خاتون یہ خلافِ فطرت کام کرتی تو مَیں اُس پر بھی اللہ کا حکم نافذ کرتا''۔

فرماتے کہ حضرت کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ حضور نے کسی کے لیے بددعا فرمائی بلکہ یہ کہا جائے: دعائے ضرر فرمائی۔ جب حضور ﷺ کی طرف لفظ بد کی نسبت جائز نہیں تو سیدہ فاطمہ کی طرف چوری کی نسبت کیسے کی جا سکتی ہے۔

قدرتی رعب:

اللہ کریم نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں اور ظاہری و باطنی حسن کے جلووں سے خوب نوازا تھا۔ عشقِ رسالت مآب ﷺ اور اخلاص کی بدولت انہیں قبولِ عام بھی عطا فرمایا، مستزاد اِس پر کہ اُنہیں نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (الحدیث) کا خصوصی فیضان ابتدا سے ہی ودیعت ہوا تھا۔ زمانۂ تدریس کی ابتدا سے ہی اُن کے سامنے کسی کو بات کرنے کی تاب نہ ہوتی اور سو، دوسو کی کلاس اُن کے سامنے یوں دبکی نظر آتی گویا کاٹو تو لہو نہیں۔

ایک دن قبلہ شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی مدظلہ کسی پروگرام میں جانے لگے تو جامعہ کے گیٹ میں مجھے فرمایا: ''جاؤ (مولانا) شکور احمد سیالوی (مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) کو بلا لاؤ''۔ یہ اس وقت استاذ گرامی کے پاس حدیث پاک پڑھ رہے تھے۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا، اُدھر سے استاذ حافظ صاحب کو دیکھوں کہ وہ گیٹ پہ کھڑے ہیں، اِدھر حدیث پاک کی کلاس۔ خیر جونہی موقع ملا تو میں نے کہہ دیا کہ شکور بھائی کو حافظ صاحب قبلہ بلا رہے ہیں۔ مجھے اچھا خاصا ڈانٹ دیا، فرمایا: تین چار منٹ رہ گئے تھے، تُو رک جاتا، ضرور حدیث کے دوران تم نے ڈسٹرب کرنا تھا۔ جب یہ کلاس باہر نکلی تو میں نے حاضر ہوکر کہا: قبلہ! میرے لیے تو پل صراط تھا کہ اُدھر حافظ صاحب گیٹ پہ کھڑے تھے اور میں اُن

کے بالکل سامنے تھا، اسی لیے جسارت کی اور معافی چاہتا ہوں، مَیں نے اتنا کہتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے۔ خلافِ معمول زور سے ہنسے اور بہت عمدہ نصیحت فرمائی کہ پھر بندہ خود فیصلہ کر لیتا ہے کہ اس نے ایسی حالت میں اس مسئلہ کو حل کیسے کرنا ہے؟ تم ایک پرچی لکھ کے دروازے سے کسی لڑکے کو پکڑاتے، وہ میرے سامنے رکھ دیتا تو میں فوراً اُسے اشارہ کر دیتا۔ پھر مجھے اچھی خاصی رقم عطا فرمائی کہ ”جا! دودھ سوڈا پی آ“۔

اسلامی سپہ سالاروں سے محبت:

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد انہیں اسلامی ہیروز میں سلطان صلاح الدین ایوبی، نورالدین زنگی اور سلطان محمود غزنوی علیہم الرحمہ سے بہت پیار تھا۔ وہ انہیں اپنا ہیرو اور رول ماڈل سمجھتے۔ وہ اپنی تقاریر میں فتحِ بیت المقدس کے موقع پر پڑھا جانے والا پورا خطبہ اپنے خاص رعب دار انداز میں عربی میں پڑھتے اور لوگوں کے ولولۂ عشق کو نئی جوانی عطا کرتے۔ فرماتے: ”یہ مَیں کسی قبرستان کے سامنے کھڑا ہو کر پڑھوں تو عربی سمجھنے والے مُردے اُٹھ کھڑے ہوں“۔

مجاہدِ ملت علیہ الرحمہ سے محبت:

جو بندہ ان کے دل میں جگہ بنا لیتا اس سے محبت کا بھرپور اظہار فرماتے۔ انہیں مجاہد ملت علامہ نیازی علیہ الرحمہ سے بہت اُنس تھا۔ فرماتے: میرا زمانہ طالبِ علمی تھا تو علامہ نیازی جامعہ تشریف لائے، مَیں اس انتظار میں تھا کہ کسی طرح موقع ملے تو اُن سے آٹو گراف لوں، ہجوم کافی تھا، وہ گیٹ پر پہنچے تو مَیں نے قبلہ مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ مَیں نے ان سے کچھ لکھوانا ہے، مفتی صاحب نے مجھے پکڑ کر آگے کر دیا اور نیازی

صاحب سے کہا: ''یہ بچہ کچھ کہنا چاہتا ہے''۔ یہ سنتے ہی فوراً مَیں نے اپنی ڈائری آگے کردی اور کہا کہ کچھ نصیحت فرمائیں۔استاذ فرماتے: اُنھوں نے بڑی زوردار آواز میں کہا: ''پہلے کہاں تھے؟''،مَیں نے بتایا کہ آپ مصروف تھے،میں کافی دیر سے یہاں بیٹھے آپ کا انتظار کررہا تھا۔ یہ سن کرانھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا:

علمے کہ راہ بحق ننماید جہالت است

نیازی صاحب سے ان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب اُن کا انتقال (2001ء) ہوا تو جامعہ سے بڑی بس پر پورا قافلہ گیا،استاذ گرامی بھی ساتھ تھے۔ جنازے کے بعد نیازی صاحب علیہ الرحمہ کے اُن کی طرح بلکہ ستون نما بھانجوں نے جنازے کو گھیر لیا اور کہا: ''بس دور سے زیارت کرواور جاؤ''،مگراستاذ گرامی اس دھکم پیل میں آگے گئے اوران کا ماتھا چوم کرفرمایا:مَنْ سَرَّهُ أن يَّنْظُرَ اِلٰى رجلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذا الرَّجُلِ.

مفتیٔ اعظم پاکستان علیہ الرحمہ سے تعلق:

☆ جس دن استاذ الاساتذہ مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا تو اس دن بھی استاذ گرامی مزار کے ایک طرف موجود رہے اور جب ان کو ان کی مبارک آرام گاہ میں لٹایا گیا تو فرمایا: ''ایک بار پھر استاذوں کی زیارت کرنے دیں''۔

جب اُنہیں رات کے وقت مفتی صاحب کے وصال کی اطلاع ہوئی تو مفتی صاحب قبلہ کے گھر حاضر ہوئے،جامعہ کے اساتذہ،فضلاء اور طلبا رو رہے تھے،خود بھی رونے لگے اورفرمایا: رواوئے منڈے!اج نئیں تے فیر کدوں روواں گے،اسیں اج یتیم ہوئے آں''۔

مَیں نے یہ منظر دو بار دیکھا،ایک تو چند سطور قبل ذکر ہوا دوسرا جب ہمارے شیخ گرامی

پیر طریقت رہبر شریعت حضرت خواجہ فقیر محمد باروی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا تو جنازے پر تشریف لائے اور تدفین کے موقع پر مزار پاک کے کنارے پورے تدفین کے عمل میں موجود رہے اور مسلسل روتے رہے۔ جب تدفین ہو چکی تو ایک لمبی سرد آہ بھری اور فرمایا:

''ھا......جنڑا سی ،اج ٹُر گیا اے''۔

اس قدر رویا ہوں تیری یاد میں

آئینے آنکھوں کے دھندلے ہو گئے (ناصر کاظمی)

حضرت مفتی صاحب قبلہ تو ویسے ان کے مہربان و محبوب تھے اور وہی ان کے لیے نمونۂ زندگی تھے۔ وہ اپنی عملی زندگی میں ان سے بہت زیادہ متاثر تھے اور ان کے قریب بھی۔ قرب کا اندازہ یہاں سے لگائیں کہ قبلہ مفتی صاحب جامعہ میں دوپہر کو قیلولہ فرماتے تو استاذ گرامی بھی اپنی کلاس سے فارغ ہو کے اُن کی خدمت میں پہنچ جاتے اور ان کے لیے کھانے کا اہتمام بھی کرتے اور ان کی خدمت بھی کرتے، پاؤں دباتے اور پھر کبھی کبھی کلاس میں تبصرہ فرماتے کہ ''ہمارے استاذ گرامی بہت مضبوط جسم کے مالک ہیں، اچھا خاصا طاقتور آدمی ان کے پاؤں نہیں دبا سکتا''۔ فرماتے: استاذ مجھے کہتے ہیں کہ یار ایڑیاں دباؤ مگر ان پر ہاتھ نہیں لگتا اور نہ دبائی جاتی ہیں، حالانکہ ان کے پاؤں کے تلوے بہت نرم ہیں۔

شرفِ ملت علیہ الرحمہ سے عقیدت:

''فطرت خود کرتی ہے لالے کی حنا بندی'' کے مصداق قدرت خداوندی نے ابتدا سے ہی اِس مردِ عظیم اور رجل رشید کو اپنے راستے کے لیے چنا تو ایسے ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دیا جو عہد موجود کے نباض بھی تھے اور نابغۂ عصر بھی۔ اِن میں سے ہر ہر فرد اپنی جگہ پر

ایک عظیم راہ نما اور مصلح ثابت ہوا، جنہوں نے اِس بطلِ حریت اور پاسبانِ فکر اسلامی کی آبیاری کی اوران کی زندگی کو عظیم رخ اور پہلو عطا کیے۔

ان میں شرفِ ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ ان کے استاذ تھے اوران کے لیے جائے عقیدت بھی اوران کے شاگرد ہونے پر وہ نازاں بھی۔ جب قبلہ شرفِ ملت علالت کے باعث درس وتدریس سے الگ ہوگئے تو استاذ صاحب اپنے شاگردوں کے ہمراہ شرفِ ملت کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

رشیدِ ملت علیہ الرحمہ سے محبت:

اُن کے استاذ گرامی شیخ الحدیث مولانا قاضی محمد رشید نقشبندی علیہ الرحمہ، جن کی عرصہ دراز تک وہ خدمت کرتے رہے اور اُن کے خادمِ خاص بھی رہے اوران کی تربیت بلکہ ان کے جلال و جمال کا ایک گہرا اثر ان کی طبیعت اور مزاج میں شامل تھا۔اس کا اظہار وہ اعلانیہ طور پر کرتے۔ کلاس کے دوران کئی مرتبہ یہ بات سنائی کہ ہم استاذ رشید صاحب کے ساتھ استاذ عطا محمد صاحب کی خدمت میں گئے۔ واپس آنے لگے تو استاذ رشید صاحب، جو اس وقت جامعہ نظامیہ رضویہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر تھے،انہوں نے اپنی سفید ٹوپی سے بندیالوی صاحب کے جوتے صاف کیے اور وہ جھاڑے بغیر اپنے سر پر رکھ لی اوراسی طرح واپسی کا سفر کیا اوراس پر وہ سراپا تشکر وامتنان تھے کہ انہیں اتنی بڑی سعادت میسر آئی۔

شیخ الحدیث علامہ محمد رشید نقشبندی صاحب کی ایمانداری اور اخلاص سے وہ از حد متأثر تھے۔فرماتے: ایک بار میں ان کے ساتھ تھا، انہوں نے رائیونڈ کسی پروگرام میں جانا تھا، ہم ریلوے اسٹیشن پہنچے تو ٹرین چل چکی تھی ،اب اگر ہم ٹکٹ لینے کے لیے رکتے تو ریل

گاڑی نکل جاتی، ہم چلتی ٹرین میں سوار ہو گئے، خیال تھا کہ ٹکٹ دورانِ سفر چیکر سے لے لیں گے۔ رائیونڈ تک ٹکٹ چیک کرنے والا بھی کوئی نہ آیا ہم نے تو یہاں اترنا تھا، تو ہم مجبوراً اُتر گئے۔ اگلے دن مجھے فرمایا: ''مولوی خادم! ریلوے اسٹیشن جاؤ اور وہی گاڑی جو کل اس وقت رائیونڈ گئی تھی اس کے دو رائیونڈ کے ٹکٹ لے آؤ''۔ میں لایا تو وہ میرے سامنے پھاڑ دیے کہ چلیں اس طرح محکمہ ریل کو اُن کی امانت تو پہنچ گئی۔ اسی پریشانی میں گزشتہ شب میں سو نہیں سکا۔

ان کی ایمانداری سے استاذ گرامی بہت متاثر تھے اور خود فرماتے کہ استاذ رشید صاحب نے جو ہماری تربیت کی ہے وہ ہمارے لیے ہماری زندگی کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

ایک بہت دلچسپ واقعہ بہت مسکرا مسکرا کر سناتے کہ مَیں زمانۂ طالب علمی میں ایک مسجد میں امام تھا۔ میلاد النبی ﷺ کے جلسے میں استاذ رشید صاحب کا خطاب رکھا، استاذ خطاب میں فرمانے لگے: جانتے ہو کہ حضور اکرم کی ﷺ دائیہ کون ہے؟ فرمایا کہ مَیں انتظامی امور میں مصروف ہونے کی وجہ سے مجمع میں سب سے پیچھے بیٹھا تھا، میرے منہ سے اچانک نکل گیا ''سیدہ حلیمہ سعدیہ''۔ یہ جواب سنتے ہی استاذ رشید صاحب نے میری طرف دیکھا اور اُن کے منہ سے نکلا: ''ہا! کھوتا نہ ہووے تے......وہ حضور ﷺ کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) ہیں، نہ کہ دائیہ''۔ مَیں مسکرا پڑا۔ انہوں نے اسی وقت خطاب میں مجھ سے اور میری مسجد کے لوگوں سے اعلانیہ طور پر معذرت کی اور اگلے دن میں کلاس میں سبق کے اختتام پر باہر جانے لگا تو انہوں نے مجھے ایک پرچی دی، فرمایا: اِسے باہر جا کے پڑھو۔ مَیں نے کھولی تو اس میں میرے نام ایک خط جس میں گزشتہ پروگرام میں ہونے والی بات پر معذرت لکھی ہوئی تھی، تحریر تھی: ''عزیز گرامی! مَیں کل سے بے سکونی کی کیفیت سے دوچار

ہوں اور دل شدید اضطراب کا شکار ہے، اُمید ہے آپ مجھے معاف کر کے بڑے پن کا ثبوت دیں گے، وہ آپ کی مسجد ہے اور آپ وہاں کے امام وخطیب ہیں، سہواً میرے منہ سے یہ بات نکل گئی اور مجھے لگا کہ مَیں کلاس روم میں ہوں اور اِسی دھیان میں وہ نامناسب جملہ زبان سے ادا ہوگیا، آپ کی طرف سے معاف کرنا میرے لیے سکون اور اطمینانِ قلبی کا باعث ہوگا''۔

شیخ الحدیث علامہ محمد رشید صاحب کی وجہ سے انہیں قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی سے بہت عقیدت تھی۔فرماتے: جب کوئی استاذ رشید صاحب سے تعویذ لکھنے کا کہتا ہے تو وہ نورانی صاحب کے نام کا تعویذ لکھ کر دے دیتے، لوگوں کو شفامل جاتی۔

ان کے وصال کے بعد استاذ گرامی ان کے بچوں سے اپنی سگی اولاد والی شفقت فرماتے، بلکہ ان کے بڑے بیٹے محترم سعید صاحب کو ہمیشہ استاذ جی کہہ کر بلاتے۔

قبلہ حافظ صاحب سے عقیدت اور اُن کے احسانات:

اساتذۂ کرام میں ایک اور شخصیت جن کے بارے یہ کہنا بے جانہ ہوگا وہ ایک دوسرے کے محبّ اور محبوب تھے، یہ ذات قدسی صفات علامہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی مدظلہ العالی کی ہے۔اُن کا تعلق اِن سے بہت گہرا اور لازوال تھا، یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے والد کی طرح صرف سمجھتے نہ تھے بلکہ ان کی بات کو وہی درجہ دیتے جو اپنے والدین کے حکم کو دیتے۔

☆ شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی نے ان کے لیے سائبان، استاذ، راہ نما اور مرشد کا کام کیا۔مثلاً استاذ گرامی کے جواں سال بھتیجے ایک معروف ادارے میں زیر تعلیم تھے، وہ وہاں سے غائب ہوگئے، استاذ گرامی نے اس صدمے کو اس قدر دل پہ لیا کہ

معاشرے سے بالکل الگ تھلگ ہوگئے اور بس مسجد تک اور مسجد میں بھی کسی سے بات چیت تک نہ کرتے۔اس میں شیخ الحدیث علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی کا بہت اہم کردار ہے،ان کے پاس تشریف لے جاتے،انہیں تسلی دیتے اور قرآن وحدیث اور صبر وتحمل کے واقعات وغیرہ سنا کر مختلف طریقوں سے انہیں تدریس کی دنیا میں واپس لائے۔تب انہیں ایک کلاس (ثانیہ) کے مکمل اسباق دیے گئے۔رفتہ رفتہ وہ اس منزل کی طرف واپس آئے اور پھر وہ نوجوان بھی مل گیا اور یوں یہ پھر اِسی میدان کے شاہسوار نظر آئے۔

☆ پھر جب 2009ء میں ان کو حادثہ پیش آیا تو تدریس موقوف ہوگئی،ایک آدھ بار جامعہ آئے مگر سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ایک بار پھر شیخ الحدیث صاحب نے باپ کا کردار ادا کیا،حوصلہ دیا اور انہیں درس وتدریس کی دنیا میں واپس لائے۔

اس سلسلے میں ایک اور شخصیت کا کردار قابلِ صد تحسین ہے،وہ نام ان کے شیخِ گرامی حضرت حاجی پیر صاحب علیہ الرحمہ کا ہے۔ایک بار استاذ گرامی اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ اپنے خدام سے کہہ دیا کہ یہ سارا ذخیرۂ کتب اور پڑھنے پڑھانے سے متعلق یہ سب خانقاہِ عالیہ بھیج دیں اور مَیں بس اب شاید کچھ نہ کرسکوں۔یہ خبر کسی نے حضرت حاجی پیر صاحب تک پہنچا دی۔انہوں نے فوراً فون کیا اور فرمایا:''مولانا!اب تک تو ہمیں (عوام کو) صبر اور تحمل کا درس دیتے رہے،مگر جب اس سب پر عمل کرنے کی باری آئی تو اس قدر دل برداشتہ اور حوصلہ پست ہوگئے کہ کتابیں اور سب کچھ ہمارے ذمہ دینے لگے ہیں؟ایسے نہیں مولانا!ہمت کریں اور صبر سے کام لیں،ابھی آپ نے بہت کچھ کرنا ہے''اور یوں وہ اس طرف ایک مرتبہ پھر آئے اور پھر تاریخ میں اَنمٹ نقوش نہیں چھوڑے بلکہ پوری تاریخ کا دھارا بدل کے رکھ دیا۔

اس ضمن میں حبیبِ مَن علامہ محمد حبیب احمد سعیدی (ناظم مدرسہ نور جامعہ نظامیہ رضویہ) کی قیادت میں ان کی کلاس کا بھی اہم رول ہے۔ یہ کلاس متعدد بار وہاں حاضر ہوئی اور اس سال ان کی کلاس کے کافی طلبا میٹرک کا امتحان دے رہے تھے، استاذ گرامی کو خبر ملی کہ آپ نہیں آرہے تو لڑکے اُس طرف جا رہے ہیں، فرمایا: ''تم دین ہی پڑھو، مَیں آجاؤں گا''۔

☆ استاذ گرامی جامعہ کی دوسری منزل پر کمرہ نمبر 21 میں پڑھاتے اور قبلہ شیخ الحدیث صاحب اپنے کمرے سے کبھی کبھی محدث اعظم ہال کی طرف سے اُوپر آتے تو استاذ گرامی کے کمرے کے پاس رک کر سلام دعا کر کے پھر دار الحدیث کی طرف جاتے، یا کبھی کبھی واپسی پر اِسی راستے سے سلام دعا کر کے پھر اپنے کمرے کی طرف جاتے۔ جب کبھی استاذ گرامی کی حضرت شیخ الحدیث صاحب پر نظر پڑتی تو فوراً جیب سے پیسے نکالتے اور کسی لڑکے کو بھیجتے کہ ''جاؤ ایک 7up کی بوتل اور دودھ کے دو گلاس ڈال کے قبلہ حافظ صاحب کو پیش کرو، وہ اسباق پڑھا پڑھا کر تھک گئے ہوں گے''۔ متعدد بار مجھے بھی یہ سعادت ملی، اور پھر کوئی نہ کوئی ماضی کی بات سناتے اور یاد کرتے کہ جانے کتنے اکابر کے متعلق بے شمار واقعات ہم نے اُن سے دورانِ سبق سنے۔

☆ اکثر فرماتے: ''مَیں ایس وقت دا سب توں وڈا مفتی استاذاں نوں سمجھداں''۔ کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو اُنہیں کال کرتے۔

☆ حضرت قبلہ شیخ الحدیث صاحب عرصہ دراز سے ربیع الاول شریف کی آخری جمعرات کو جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان پروگرام کا انعقاد کرتے ہیں۔ اس پروگرام میں وہ شریک ہوتے اور خطاب بھی فرماتے اور اس سال (۱۴۴۲ھ) یہ سالانہ پروگرام جاری تھا جس وقت اُن کا وصال ہوا۔

دوسری جانب قبلہ شیخ الحدیث صاحب بھی اُن سے بہت محبت کرتے ہیں اوران کی کئی باتیں دہرایا بھی کرتے ہیں۔

چند دن قبل شیخ الحدیث صاحب فرمارہے تھے جس دن سعد (موجودہ امیر تحریک لبیک) پیدا ہوا تو میرے پاس آئے کہ بیٹا پیدا ہوا ہے، نام کیا رکھوں؟ میں نے کہا: آپ کوئی تین چار نام سوچیں پھر بتائیں، اگلے دن تین چار نام لکھ لائے تو مَیں نے کہا: ''سعد رکھ لو''، پھر یہی سعد نام رکھا اوراسی طرح ''انس'' نام چھوٹے بیٹے کے لیے منتخب کیا۔

جب استاذ گرامی نے لبیک یارسول اللہ ﷺ کی ندا پر لوگوں کو اکٹھا کیا تو کچھ افراد کو اس پر تحفظات تھے۔اس وقت قبلہ شیخ الحدیث صاحب نے کراچی کے سالانہ پروگرام میں خود یہ اعلان فرمایا: ''باوجودیکہ یہ میرے شاگرد ہیں، مگر تحریک تحفظِ ناموسِ رسالت کے سلسلے میں میرے سمیت سب اِن کے سپاہی ہیں اور یہ ہمارے قائد ہیں''۔

شیخِ گرامی سے عقیدت:

اپنے اساتذہ کرام کے علاوہ جس شخصیت کے ساتھ انہیں سب سے زیادہ عقیدت و محبت تھی وہ ان کے مرشد گرامی حضرت قبلہ حاجی پیر صاحب تھے۔انہیں حاجی پیر صاحب سے بے پناہ عقیدت تھی اورحاجی پیر صاحب اُن پر نازاں تھے۔استاذ گرامی ان کا ذکر خیر بھی کثرت سے کرتے اور ہمیشہ اپنی نسبت پر مسرتوں کا اظہار کرتے،اپنی دونوں کتب کا انتساب بھی اُنہی کے نام کیا۔

☆ ایک مجلس میں کسی نے ان کے سامنے قبلہ حاجی پیر صاحب قدس اللہ سرہ اورقبلہ جناب جی مدظلہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا: حاجی پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

یہ فرمایا اور چھوٹے جناب جی نے یہ فرمایا۔ آپ یہ سن کر برہم ہوئے۔ فرمانے لگے: ''جھلیا! وہ آپس میں چھوٹے بڑے ہوں گے، لیکن ہمارے سر کا تاج ہیں، کسی سنگی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان میں تفاوت کرتا پھرے۔ جس طرح قبلہ حاجی پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہمارے شیخ ہیں، اسی طرح جناب جی مدظلہ بھی ہمارے شیخ ہیں''۔

☆ کچھ احباب استاذ گرامی کی سخت گوئی پر چیں بجبیں رہے، لیکن لفظوں کے پرستار شاید ہی سمجھ پائیں کہ رزمِ حق و باطل میں فولاد بننا پڑتا ہے۔ قبلہ حاجی پیر صاحب قدس سرہ نے ایک دفعہ ان کے بارے میں فرمایا: ''اِن کو اللہ کریم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ والا ڈنڈا (درّہ) عطا فرمایا ہوا ہے، ان کی باتوں میں وزن اور لہجے میں رعب ہے اور لوگ بھی ان کی سنتے ہیں''۔ بڑے پیمانے پر ان کی پذیرائی تو ایک عرصے کے بعد ہوئی، لیکن شیخِ کامل کی نگاہیں بہت بعد کا منظر بہت پہلے دیکھ رہی تھیں۔

تقدیرِ اُمم کیا ہے کچھ کہہ نہیں سکتا ہو مومن کی فراست تو کافی ہے اشارہ

اشاعتی خدمات:

تدریسی، تصنیفی، تبلیغی اور سیاسی سرگرمیوں کے علاوہ انہوں نے اشاعت دین میں بھی بہت اہم کردار ادا کیا اور اپنے ذاتی ذرائع سے بہت اہم رسائل وجرائد اور کئی قیمتی نایاب اور اہم ترین کتابیں شائع کروا کے فی سبیل اللہ تقسیم کروائیں۔

ابتدائی طور پر تحریکِ فدایانِ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے مختصر رسائل طبع کروائے۔ بعد ازاں اِسی تنظیم کے تحت عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی ''العاقب'' کی نسبت سے ماہنامہ العاقب کا آغاز کیا، جو ایک طویل عرصہ تک تسلسل کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ اسی ماہنامے کے کئی خصوصی نمبر بھی شائع کروائے

جن میں سرفہرست ''فضل حق خیر آبادی'' نمبر ہے۔ اس کے علاوہ ''انوارِ احمدی''، ''مقام رسول''، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے خلیفہ مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب کا قدیم اور نایاب فتاویٰ ''فتاویٰ دیداریہ''، اور علامہ مفتی علیم الدین نقشبندی علیہ الرحمہ کی کئی کتب شائع کروائیں اور فی سبیل اللہ عوام وخواص تک پہنچائیں۔

اعترافِ حق میں بے باکی:

ان کے مزاج مبارک میں ایک اور بات بڑی خوبصورت تھی کہ وہ کسی بھی چیز کے اعتراف کرنے میں بہت بے باک تھے اور بلاخوف لومۃ لائم وہ اعتراف کر جاتے۔ ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ کے خلاف جامعہ کے ایک طالب علم نے کتاب لکھی۔ کتاب شائع ہونے کے بعد جب جامعہ خبر پہنچی تو اسی دن اُسے جامعہ سے فارغ کر دیا گیا اور ''اکابرینِ اہل سنت کے متعلق کبھی بھی کسی قسم کی کوئی زبان درازی یا ان پر الزام تراشی برداشت نہ کی جائے گی'' کا دوٹوک موقف بھی جامعہ کی طرف سے دہرایا گیا۔

ہم اُن کے پاس سبق پڑھنے گئے تو اُنہوں نے کلاس میں اِس فیصلے کی بہت تحسین کی۔ اسی دوران مَیں نے سوال پوچھا کہ آپ نے ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب کی طرف سے ایک بار خصوصی عمرہ کیا، اس کی کیا وجہ تھی؟ فرمانے لگے: مولانا! بات یہ ہے کہ میرے دل میں ان کے متعلق مناسب رائے نہ تھی۔ مَیں عمرہ کرنے گیا تو اپنے جمیع اکابرین کے نام پر عمرہ کیا، جو جو نام میرے ذہن میں تھے، مگر پیر صاحب کا نام ذہن میں ہوتے ہوئے بھی اُن کے متعلق اُس خلش کی وجہ سے عمرے میں اُن کی نیت نہیں کی۔ جب مَیں رات کو ہوٹل میں جا کے سویا تو خواب دیکھا کہ حرم پاک میں حاضر ہوں اور پیر صاحب دلائل

الخیرات شریف کا درس دے رہے ہیں اور لوگ کھڑے ہو کر سن رہے ہیں۔ مَیں بھی ایک طرف کھڑے ہو کر درس سننے لگا۔ جب پیر صاحب کی نظر مجھ پر پڑی تو مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے: ''مولانا! ہم نے بھی دین کا کام کیا ہے'' اور یہ جملہ انہوں نے دو بار کہا۔ بس پھر آنکھ کھل گئی تو اگلے ہی دن مَیں نے اُن کے نام پر عمرہ کیا اور ان کے لیے حرم پاک میں دعا بھی کی۔

جبلِ استقامت:

☆ استاذِ گرامی 17 مارچ، 2006ء کو پہلی بار جب گرفتار ہوئے تو تھانہ اور پھر جیل میں اُن کے ساتھ پیر سید عرفان شاہ مشہدی بھی تھے۔ استاذ گرامی شاہ صاحب کی بہادری سے بہت متاثر تھے، فرماتے: مَیں جیل میں ان کے پاؤں دباتا رہا ہوں، وہ قرآن و حدیث سنا کر ہمارے حوصلے بلند کرتے''۔

رہائی کے بعد کلاس میں تشریف آوری پر طلبا نے روئیداد جاننا چاہی تو فرمانے لگے: ''پہلا دن تھا، شام تک مَیں نے کچھ نہ کھایا، اگلے دن پولیس والے نے ایک شاپر میں دال اور روٹی دی، ایک ہی شاپر میں دونوں چیزیں، فوراً مجھ پر دو اثرات ہوئے: ایک شیطانی اور دوسرا رحمانی۔ دل میں خیال آیا کہ ''کس طرف نکل آئے ہو؟ تم دیسی گھی کا سالن کھاتے ہو، سفید کپڑے پہنتے ہو، ادھر آنے کی کیا ضرورت تھی؟'' فوراً خیال آیا: ''جن کے نام پہ وہ سب کچھ تُو مزے سے لیتا رہا ہے، اب جب دینے کی باری آئی ہے تو پھر قدم پیچھے کیوں ہٹیں؟'' بس یہ خیال آیا اور میں نے اس دال روٹی والے شاپر کو چوما اور مزے لے لے کر کھایا اور خود فرماتے: ''کھانے کا اتنا لطف کبھی نہیں آیا جتنا اس دن آیا''۔

مزید فرمایا: ''کہیں سے علامہ افتخار الحسن زیدی کی کتابِ زندگی ڈھونڈو اور پڑھو، تمہیں اندازہ ہو کہ ہمارے اکابرین نے کس کس طرح قربانیاں دی ہیں''۔

☆ غازی ممتاز حسین قادری شہید علیہ الرحمہ کے کارنامے کے بعد استاذ گرامی کی زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ اس میں اُنہوں نے خود کو تحفظِ ناموسِ رسالت اور نفاذِ نظامِ مصطفیٰ کے لیے وقف کر دیا۔ اس وادی میں جب انہوں نے قدم رکھا تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ بارہا جیل جانا پڑا، تشدد برداشت کیا، مگر نہ ان کے حوصلے پست ہوئے اور نہ کبھی معذوری آڑے آئی۔ ہمیشہ ثابت قدم رہے بلکہ ''یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے'' کے مصداق وہ ہر بار ایک نئے جذبے کے ساتھ اِن مشکلات کا سامنا کرتے نظر آئے اور ایک ہی بات کرتے: اِنج وی سجن واہ واہ......اُنج وی سجن واہ واہ''۔

☆ دنیا نے دیکھا یہ مردِ قلندر ہر حال میں ثابت قدم رہا۔ قدم پیچھے ہٹانا تو دور کی بات، قدم میں لغزش تک نہیں آئی۔ بس ایک ہی بات فرماتے: ''یہ ہتھکڑیاں جن کے نام پہ لگی ہیں وہ دیکھ رہے ہیں''۔ کہنے لگے: ایک بار مجھے پولیس والے نے میری ویل چیئر سے گھسیٹ کر گاڑی میں پھینکا تو مَیں مسکرا پڑا، یہ دیکھ کر پولیس والے نے تعجب سے پوچھا: مولوی صاحب! آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ مَیں نے جواباً کہا: ''ہنس میں اس لیے رہا ہوں کہ جن کے لیے تم مجھے گھسیٹ رہے ہو وہ تمھیں نہیں دیکھ رہے اور جن کی خاطر مَیں گھسیٹا جا رہا ہوں وہ مجھے ضرور دیکھ رہے ہیں''۔

خریدا نہ گیا شاہ سے جوتا فقیر کا

میرے شیخ گرامی کے نورِ نظر حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد حسن باروی نے چوک اعظم کانفرنس میں انہیں خطاب کے لیے مدعو کیا تو وہاں کسی نے افواہ اڑا دی کہ وہ نہیں آ رہے اور

گورنمنٹ سے پیسے لے لیے ہیں۔اس طرح کی افواہیں گردش کرتی رہیں۔وہاں گفتگو کے دوران فرمایا: لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے مولوی خادم کو خرید لیا ہے، یہ بچے ہم نے تیار کیے ہیں اور میرا نام لے کے فرمایا کہ "ان ہمارے تیار کردہ بچوں کو نہیں خریدا جا سکتا تو ہم تو پھر ہم ہیں نا"۔مزید فرمایا: "میرا یہ اعلان ہے کہ قیامت تک کبھی یہ ثابت ہو جائے کہ میں نے کسی سے حضور ﷺ کے دین پر ایک روپے کی سودے بازی بھی کی ہے تو قبر سے نکال کے مجھے لٹکا دینا"۔مگر الحمدللہ پوری کائنات میں کوئی بندہ یہ ثابت نہیں کر سکے گا کہ کبھی ایک لفظ پہ بھی کمپرومائز کیا ہو۔

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام　　　للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امسال مارچ میں بھکر میں تشریف لائے تو انہیں کسی نے بتایا تھا کہ طاہر کسی مذہبی جماعت کا رکن بن گیا ہے۔مَیں نے وضاحت دینے کے لیے ایک لفظ کہا تو فرمانے لگے: "یار تمہیں ہم نے پڑھایا ہے، تو کیا ہمیں اتنا بھی اعتماد تم پر نہیں؟ بس خیال رکھا کرو بات کا بتنگڑ بننے میں وقت نہیں لگتا"۔

دین کے لیے کیا کیا؟

انہیں زندگی بھر ایک ہی فکر ستاتی رہی کہ دین کے لیے کیا کیا؟ اور یہی وہ جذبہ تھا جو بچے بچے کے سینے میں موجزن کر گئے۔

ان کے بڑے صاحبزادے اور بڑی بیٹی کی شادی 22 ربیع الاول (١٤٤٢ھ) کو طے تھی۔ہماری ماں جی نے ان سے کہا: "ہم نے بچوں کی شادی رکھی ہے اور آپ دوسری طرف مصروف ہیں"۔فرمانے لگے: سرکار دے خاکے بن رئے نے تے میں پتر دا ولیمہ کر دا

پھراں ایہہ کم (شادی) میرے توں بغیر ہو جائے گا پراُوہ کم میرے بغیر نہیں ہو سکدے۔

اسی فکر میں انہوں نے لبیک یا رسول اللہ کی صدا لگائی اور دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ فرمایا کرتے: میرے اس دنیا سے چلے جانے کے سو سال بعد بھی اگر میری قبر پر آ کر کوئی لبیک یا رسول اللہ کا نعرہ لگائے گا تو میں اپنی قبر سے اس کے جواب میں لبیک کا نعرہ لگاؤں گا۔

سالانہ دو پروگرام:

اپنی مسجد میں پورے اہتمام کے ساتھ ربیع الاول شریف میں میلاد شریف اور ماہ محرم الحرام میں عظمت اہل بیت کا پروگرام کرواتے۔ پہلے درود پاک پڑھا جاتا پھر پروگرام۔ دیسی گھی میں خاص لنگر تیار کرواتے اور کہتے کہ بڑے لوگوں کے نام پہ پروگرام ہے، اس میں کنجوسی نہیں کرنی۔

سفرِ آخرت:

بالآخر وہ لمحات آن پہنچے کہ وہ سرخرو اور سرفراز ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہو گئے۔ عشق و مستی، جرأت و بہادری، بے ساختگی و برجستگی اور بے باکی و بے خوفی کا ایک روشن باب بند ہوا۔ چونکہ ہر طرف مداہنت آمیز سکوت، تسلیم و رضا اور خود سپردگی و خود فروشی کی فضا بنی ہوئی ہے، اس لیے وہ گرج دار آواز، وہ پُر درد لہجہ، وہ بے خوف صدا اور وہ جرأت آمیز پکار بہت یاد آئے گی۔ رب کریم بال بال مغفرت فرمائے اور روضے سے وہی صدا آئے گی جس کی جانے والے کو چاہ تھی۔

جانشینِ امیر المجاہدین:

ان کے وصال کے بعد ان کے نورِ نظر لختِ جگر بڑے صاحبزادے ان کے مسند نشین

ہوئے۔اس پر کچھ مفاد پرست ،شر پسند اور فتنہ پسند عناصر کی جانب سے اس عظیم مشن میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی گئی، جو ایک سعی لا حاصل ہے۔

آخر میں استاذ گرامی کے جگر گوشہ و جانشین سے کہنا چاہوں گا کہ آپ کی عمر، علم اور تجربے سے کہیں زیادہ بلند مرتبہ منصب آپ کے سپرد ہے اور اس میں لاکھوں لوگ آپ کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں مگر چند ایک باتوں کا آپ کو بہت خیال کرنا ہوگا۔ آپ کو ایک بار اُستاذ الاساتذہ علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہٗ کا خط، جو انہوں نے مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کے وصال پر ان کے صاحبزادگان کے نام لکھا تھا، (مجلّہ النظامیہ (مفتیٔ اعظم نمبر)، صفحہ:60) وہ بہت توجہ اور انہماک سے پڑھنا چاہیے۔ اپنے اکابرین، جن سے استاذ گرامی مشورہ کرتے، ان سے مشورہ کریں اور دو بزرگوں کو کسی بھی اقدام سے قبل فراموش نہ کریں: ایک شیخ الحدیث حافظ محمد عبدالستار سعیدی اور دوسرے مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد منیب الرحمٰن ہزاروی۔ ان کے پاس وقتاً فوقتاً حاضری دیتے رہیں۔ ضلع و تحصیل سطح تو بہت دور پہلے یونین اور پھر تحصیل و ضلع کی سطح پر کمیٹیاں بنائیں، پھر ان کی مکمل نگرانی کریں۔ آپ کے لیے اس میں آسانی ہوگی کہ آپ کا پہلے سے ورکرز سے رابطہ ہے۔

خوشامدی گروپ کے پرانے شکاری نئے نئے جال کے ساتھ تشریف فرما ہوں گے۔ آنکھیں کھلی رکھیں اور اسے ایک کامیاب سیاسی جماعت بنائیں۔ سیاسی جماعتوں پر مطبوعہ کتب کا مطالعہ ضرور کریں پھر اپنی جہات کا تعین کریں گے تو ان شا اللہ تعالیٰ کامیابی قدم بوسی کرے گی۔

لائقِ تقلید زندگی قابلِ رشک وصال

تحریر مولانا سردار رفاقت حسین قادری، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ اِن کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو — عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے — قبا چاہیے اِس کو خونِ عرب سے
کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا — خبر میں نظر میں اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو — وہ سوز اس نے پایا اِنہیں کے جگر میں
کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اُس کو — ہلاکت نہیں موت اِن کی نظر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے — وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لَا تَذَرْ میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے — نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

امیر المجاہدین علیہ الرحمہ سے میری پہلی ملاقات جامعہ نظامیہ رضویہ میں ہوئی۔ صبح اسمبلی کے دوران تشریف لائے مَیں راستے میں کھڑا تھا۔ پاس سے گزرتے ہوئے سلام فرمایا۔ پھر روزانہ ایک دو مرتبہ زیارت ہوتی، کبھی کبھار دست بوسی کا شرف بھی ملتا۔

☆ ابھی کلاس صرف میں مولانا محمد عمران الحسن فاروقی صاحب کے پاس پڑھ رہے تھے کہ سہ ماہی امتحان کے لیے امیر المجاہدین کے پاس بھیجا گیا۔ آپ نے قرآن کریم کی عظمت دلوں میں بٹھانے کے لیے تمام طلبا سے یکے بعد دیگرے پوچھا: رمضان میں قرآن سنایا کہ

نہیں؟ ازاں بعد فرمایا: ”خدا کے بندو! قرآن اچھا کر کے سنایا کرو“۔

☆ کچھ عرصہ بعد آپ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ میں آپ کی زیارت کرنے آپ کی مسجد جایا کرتا۔ اِنھی ایام میں اللہ تعالی نے مجھے بیٹا عطا کیا، بیٹے کی پیدائش سے قبل مَیں بوقت عصر آپ کی مسجد گیا اور دعا کی اپیل کی۔ آپ نے رات ایک بجے مجھے کال کر کے گھر کی خیریت دریافت کی۔ مَیں نے عرض کیا: اللہ نے بیٹا عطا فرمایا ہے، نام بھی آپ تجویز فرمائیں۔ فرمانے لگے ابھی بتا دیتا ہوں، ساتویں دن رکھ لینا: ”محمد انس رضا“۔ یوں میری عقیدت اور تعلق میں اضافہ ہوتا گیا۔

☆ 2014ء میں مجھے عمرہ کی سعادت کے لیے جانا ہوا، جانے سے قبل آپ کی زیارت سے مشرف ہوا اور بارگاہِ خداوندی و بارگاہِ مصطفوی میں حاضری کے بارے میں آپ سے راہنمائی طلب کی۔ فرمایا: ”محبّ کو محبوب کا ذکر پسند ہوتا ہے، بیت اللہ کے طواف کے دوران درود شریف پڑھنا اور مسجد نبوی میں قرآن کی تلاوت کرنا“۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب مَیں عمرہ کی ادائیگی کے بعد روضۂ اطہر پر حاضر ہوا تو اپنے محسنین کو کالز کیں، جن میں سرفہرست امیر المجاہدین علامہ خادم حسین رضوی ہیں۔ حجازِ مقدس کے وقت کے مطابق عشا کی نماز کے بعد مواجہہ شریف کے سامنے جالیوں کے قریب کھڑے ہو کر کال کی، تب آپ اپنے اس دور میں شائع ہونے والے رسالہ ”العاقب“ کا اداریہ تحریر فرما رہے تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”مولانا! ایک منٹ“۔ آپ نے کھڑے ہو کر بہت اہتمام سے صلوٰۃ سلام پیش کیا، جس کا ایک شعر مجھے ابھی تک پوری طرح یاد ہے:

آپ کے آگے وہ حمزہ کی جان بازیاں
شیر غرانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

پھر آپ نے بہت عقیدت واحترام سے دعا کی ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بعد از نماز عشا مسجد نبوی اور مواجہہ شریف پہ بہت رش تھا، مگر شاید امیر المجاہدین کی برکت اور مقبولیت کی وجہ سے مَیں بہت دیر تک جالی شریف سے متصل جنگلے کے ساتھ کھڑا رہا، جب تک آپ نے سلام اور دعا وغیرہ مکمل نہیں کی کسی نے مجھے جانے کا نہیں کہا۔

عقیدت اور احترام اور درِ مصطفیٰ پہ بذریعہ کال سلام عرض کرنا بھی اس قدر خوشی کا باعث تھا کہ آپ اُس وقت جو اداریہ تحریر فرما رہے تھے اُس کا موضوع آپ کے مرشد حاجی پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ تھے۔ آپ نے اس تحریر میں جملہ معترضہ کے طور پر اس واقعہ کا ذکر بھی کیا اور میرا نام بھی تحریر فرمایا۔ پھر جب مَیں واپس پہنچ کر ملنے گیا تو مجھے ''العاقب'' کے گیارہ شمارے عطا فرمائے اور بتایا کہ اس میں تمہارا نام بھی ہے، نیز مجھے عمامہ شریف بھی عطا فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی بار ملاقات میں اِس بات کا ذکر بھی کیا اور تحسین بھی فرماتے رہتے۔

☆ آپ کو جہاں اللہ تعالیٰ نے بہت سی اور خوبیوں سے نواز رکھا تھا وہاں یہ بھی کہ آپ ایک دو جملے بول کر بندے کو دین کا کام کرنے کے لیے تیار فرما دیتے۔

☆ کئی معاملات میں مَیں نے آپ سے مشاورت کی آپ نے جو تلقین کی اس کے مطابق عمل سے ان معاملات میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی۔

☆ ہم ثانیہ کلاس میں تھے، سب طلبا نے باہم مشاورت سے استاذ مولانا قاری احمد رضا سیالوی صاحب اور استاذ مولانا محمد عمران الحسن فاروقی صاحب سے گزارش کی کہ ہم اپنی کلاس میں محفلِ میلاد کا اہتمام کریں گے، خطاب کے لیے امیر المجاہدین سے ٹائم لیں، آپ نے وقت عنایت فرمایا۔ تلاوت کے بعد ہماری کلاس کے ایک دوست نے نعتِ رسول مقبول

ﷺ سنائی۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا کلام تھا ''لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب''۔ امیر المجاہدین اس کلام پہ بہت جھومے، جیب میں ہاتھ ڈالا اور مٹھی بند کر کے نعت خواں کو ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا، تب ایک ہزار کی بہت اہمیت ہوا کرتی تھی اور ہماری کلاس میں وہ ساتھی ضرورت مند بھی تھا۔ یوں محسوس ہوا کہ امیر المجاہدین صاحبِ کشف بھی ہیں۔ آپ نے ساتھ یہ جملہ بھی فرمایا: ''بیٹا کوئی کتاب لے لینا''۔

☆ ایک مرتبہ ہماری پوری کلاس امیر المجاہدین کے پاس گئی، کچھ باتیں تھیں، ہم نے بہت غیر شائستہ انداز میں گفتگو کی، مگر ہر بات پر آپ نے ہمیں نصیحتیں فرما کر واپس بھیجا۔

☆ ہم درجۂ سابعہ میں پہنچے تو مجھے طلبا کی تنظیم ''بزم رضا'' کا جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ جامعہ میں ایک تعمیری کام کرانا چاہتا تھا مگر انتظامی معاملات کی وجہ سے دشواری تھی، مَیں نے امیر المجاہدین سے عرض کی تو آپ نے جامعہ کے متعلقہ ذمہ دار سے بات کرنے کی ہامی بھر لی، چنانچہ مجھ حقیر کی گزارش پر آپ تقریباً ایک گھنٹہ اُس شخصیت سے محوِ گفتگو رہے۔ اتنی بڑی شخصیت جس کے چاہنے والے پوری دنیا میں موجود ہوں اور ہزاروں کی تعداد میں اُس کے شاگرد، مریدین اور معتقدین ہوں، وہ ایک طالب علم کی معمولی گزارش پہ تقریبا ایک گھنٹہ کھڑا رہے، یہ امیر المجاہدین کا ہی بڑا پن تھا۔

☆ میری مسجد میں دو مرتبہ جلوہ گر ہوئے۔ کچھ ہدیہ پیش کیا تو اگلے دن اس کے ساتھ کچھ ملا کر اضافے کے ساتھ یہ کہتے ہوئے واپس عطا فرمایا: ''تم کام کر رہے ہو، مجھے اسی پر بہت خوشی ہے''۔ امیر المجاہدین علیہ الرحمہ جہاں ایک عظیم المرتبت لیڈر اور سپہ سالار تھے وہیں ایک ہمدرد، مشفق، محسن تھے۔

☆ مَیں آپ کی زندگی کے ہر پہلو سے ہی بہت زیادہ متأثر ہوا مگر سب سے زیادہ متاثر

کرنے والی تین باتیں تھیں: عشقِ رسول کائنات، قرآن پاک سے محبت، اور اقبالیات پر دسترس۔ یوں تو آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے بھی دیوانے تھے، مگر میں نے اقبال علیہ الرحمہ کا ذکر اس لیے کیا کہ آپ نے کلامِ اقبال کے ذریعہ سے عام لوگوں کو دین کی بہت قدر اور پہچان کرائی، اقبال چونکہ بظاہر عوام جیسے تھے، اگرچہ حقیقت میں عاشقِ صادق اور فنافی الرسول تھے اس لیے لوگوں کو کلامِ اقبال کے ذریعے بات سمجھانا آسان تھی۔

☆ کئی لوگ امیر المجاہدین کے سامنے چپ کر کے بیٹھے رہتے تھے، شاید اس لیے کہ وہ آپ سے ڈرتے تھے کہ وہ سخت طبیعت ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ مَیں طالبِ علم ہونے کے باوجود دل کی بات کھلے لفظوں کہہ دیا کرتا، آپ کئی بار اس بات کو قبول فرماتے اور کئی بار اِصلاح فرما دیتے۔

☆ لوگ آپ کے پاس مختلف عہدیداران کی شکایات کرتے تو آپ فرماتے: ''جب اچھے آگے نہیں آئیں گے تو کسی نے تو آگے آنا ہی ہوتا ہے نا''۔

☆ آپ بالکل بھی سخت طبیعت نہ تھے۔ لوگ کہتے ہیں: ''جو بندہ ترش مزاج یا سخت زبان اور بداخلاق ہو جب دنیا سے جاتا ہے تو لوگ اس کے جنازے سے اکتا جاتے ہیں''۔ امیر المجاہدین کا جنازہ تین دن تک موجود رہا، اُکتانا تو دور کی بات ہے ہر کوئی حسرت کر رہا تھا کاش کچھ مزید لمحات امیر المجاہدین کے جسدِ نوری کے پاس بیٹھنے کا وقت میسر آ جائے۔ لوگوں کی دیوانہ وار آ کے جنازے میں شرکت بتاتی ہے کہ آپ اعلیٰ اخلاق کے مالک، اُسوۂ حسنہ کے حقیقی ترجمان اور رسول کائنات ﷺ کے سچے اور سُچے عاشق تھے۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

تحریر: مولانا محمد عاصم محبوب رضوی، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا.

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الۡعَبۡدَنَادٰی جِبۡرِیۡلَ: اَنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ، فَیُحِبُّهٗ جِبۡرِیۡلُ، فَیُنَادِیۡ جِبۡرِیۡلُ فِیۡ اَهۡلِ السَّمَاءِ: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوۡهُ ،فَیُحِبُّهٗ اَهۡلُ السَّمَاءِ ،ثُمَّ یُوۡضَعُ لَه الۡقَبُوۡلُ فِی الۡاَرۡضِ." (صحیح بخاری)

جب اللہ بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریلِ امین کو ندا فرماتا ہے: (اے جبریل!) بے شک اللہ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے لہٰذا تُو بھی اسے محبوب رکھ، پھر جبریلِ امین اس بندے کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں، پھر وہ آسمان والوں میں ندا کرتے ہیں: بے شک اللہ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو، آسمان والے بھی اسے اپنا محبوب بنا لیتے ہیں، پھر اس بندے کے لیے زمین میں مقبولیت رکھی جاتی ہے۔

مذکورہ آیتِ مبارکہ اور حدیثِ مصطفیٰ ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی

مقبولیت، چرچا اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں ان کو خاص قرب حاصل ہے اور یہ مقامِ محبوبیت پر فائز ہیں۔ صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ وصال فرمانے کے بعد بھی ان نیک بندوں کا ذکر لوگوں کی زبانوں پر اور ان کی محبت سے لوگوں کے دل سرشار ہوتے ہیں اور ان کے جنازے بھی ان کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔

ایک موقع پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا تھا:

قُوْلُوْا لِاَهْلِ الْبِدَعِ: بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْجَنَائِزُ حِیْنَ تَمُرُّ. (البدایۃ والنہایۃ)

بد مذہبوں سے کہہ دو کہ ہمارے جنازے جب نکلیں گے تو وہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلے کریں گے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے دور میں اہلِ سنت و جماعت کے امام گزرے ہیں۔ چیف جسٹس احمد بن ابی داؤد، آپ کا سب سے بڑا مخالف تھا، جب اسے موت آئی تو کسی نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی، اس کے جنازے میں چند سرکاری عہدے داروں کے سوا کوئی شریک نہیں ہوا، اور جب بد مذہب بشر بن غیاث المریسی فوت ہوا تو چند افراد اس کے جنازے میں شامل ہوئے، لیکن جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصال فرمایا تو عوام وخواص کی کثیر تعداد نے جنازے میں شرکت کی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول حق ہے۔ تاریخ نے دیکھا کہ غازی ممتاز حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں پابندی کے باوجود مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا اور دوسری طرف سلمان تاثیر کے جنازے میں چند سرکاری عہدے دار اور سیاسی چیلے تھے۔

پھر تاریخ نے دیکھا کہ ہندوستان کی سرزمین پر حضور تاج الشریعہ مولانا اختر رضا خان رحمہ اللہ تعالی کے جنازے میں لاتعداد عوام اور علمائے کرام نے شرکت کی۔ اس کے

بعد پاکستان کی سرزمین پر جب ایک عاشق رسول فنافی الرسول، مجاہد ختمِ نبوت، محافظِ ناموسِ رسالت، استاذ العلما، شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا اور اقبال پارک، مینارِ پاکستان میں جب اس مقدس ہستی کا جنازہ ادا کیا گیا، تو مقررہ وقت سے پہلے ہی اقبال پارک، جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کا بھرنا بہت مشکل ہے، عشاقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھر گیا۔ صرف اقبال پارک ہی نہیں بلکہ جامع مسجد رحمۃ للعالمین (یتیم خانہ) سے اقبال پارک تک، دوسری طرف لاہور ریلوے سٹیشن تک اور ادھر شاہدرہ تک عوام وخواص کا ایک جمِ غفیر تھا، جس نے امیر المجاہدین علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ شاید تاریخ نے ایسا منظر اس پہلے کبھی نہ دیکھا ہو، نیز اللہ رب العزت نے امیر المجاہدین کے جسم مبارک کو بھی تروتازہ رکھا اور ہزاروں افراد نے زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔ امیر المجاہدین اکثر اپنی تقاریر میں فرمایا کرتے تھے:

''حشر کو ہوگا یہ معلوم کہ جیتا کون اور ہارا کون''۔

اللہ رب العزت نے امیرالمجاہدین رحمۃ اللہ علیہ پر کرم فرمایا اور دینِ اسلام، ختمِ نبوت اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے حوالے سے ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتے ہوئے اس دنیا میں ہی ظاہر فرما دیا کہ اے میرے حبیب کے دین کے خادم! تو جیت گیا ہے۔

امیر المجاہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس شعر کا مصداق ہیں:

اُنہیں جانا، اُنہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام ۔۔۔ للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

اوقات ہمہ بود کہ بایار بسر شد

مولانا محمد بلال انور، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

اس بے مایہ زندگی نے ایسے ایسے مناظر دکھائے ہیں کہ لگتا ہے کہ صدیوں پرانا ہو گیا ہوں، کبھی تو آنکھوں پر اعتبار نہیں ہوتا اور کبھی یادداشت پر۔

ابھی کل کی ہی تو بات ہے درس نظامی پڑھنے کا شوق اُمّ المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور لے گیا۔ وہاں نہ مجھے کوئی جانتا تھا اور نہ میں کسی سے شناسا تھا۔ درسی کتب کے سرورق دیکھے تو علم ہوا کہ کچھ ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں بھی اس جامعہ میں پڑھاتی ہیں جن کے قلم سے لکھی گئی کتابیں داخل نصاب ہیں، اِن میں جامع المعقول والمنقول مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب مدظلہم اور سالارِ قافلۂ غیرت و حمیت شیخ الحدیث مولانا حافظ خادم حسین رضوی صاحب علیہ الرحمہ جیسی یکتائے روزگار شخصیات کے نام نمایاں تھے۔ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اِن یادگارِ اسلاف ہستیوں کی زیارت کی جائے۔ استاذِ گرامی قبلہ حافظ صاحب کے دستخط سے بندہ ناچیز کو جامعہ میں داخلے کا پروانہ جاری ہوا، اس لیے ان کی زیارت سے فیض یاب ہو چکا تھا۔ استاذ الکل مولانا محمد منشا تابش قصوری صاحب نے ''کریما سعدی'' کا پہلا شعر پڑھایا تھا۔ ان کی زیارت سے بھی مستفید ہو چکا تھا۔ استاذ خادم حسین رضوی صاحب کی زیارت کی حسرت نسبتاً طویل عرصے تک ناتمام رہی۔

ایک دن صبح سویرے قبلہ حافظ صاحب کی درس گاہ کے باہر ''پند نامۂ عطار'' پڑھنے کی غرض سے انتظار میں بیٹھا تھا کہ یکا یک سرگوشیوں کی معرفت معلوم ہوا کہ استاذ خادم

صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ وہ منظر دیدنی تھا اور آج بھی لوحِ یادداشت پر حرفِ تازہ کی صورت موجود ہے۔ طلبا برآمدوں میں ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے، دل بچھائے کھڑے تھے۔ میرے جیسے انگلش میڈیم سکول میں پڑھنے اور ٹیچرز پر ہوٹنگ کرنے والے انسان کے لیے یہ منظر بالکل نیا تھا، خاص طور پر اس استاذ کے لیے جس کے بارے میں مشہور ہو کہ مارتے بہت ہیں۔ اچانک دروازے سے اُجلے سفید لباس اور براؤن عمامہ میں ملبوس ایک نورانی صورت نمودار ہوئی، جن کے بارے میں کاتبِ ازل نے لکھ دیا تھا کہ ایک بار پھر اِس شیر کی للکار سے یورپ کے درودیوار کانپیں گے اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی غیرت وحمیت کی ایک جھلک نظر آئے گی۔ بقول اقبال:

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

تادمِ تحریر اقبال کے اس شعر کا مصداق میرے ممدوح کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

اِن آنکھوں نے اس مردِ دُرویش کو بغیر کسی معذوری اور ویل چیئر کے دروازے سے داخل ہوتے، برآمدوں سے گزرتے اور سیڑھیاں چڑھ کر دارالحدیث جاتے دیکھا۔ طلبا کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ برادرم مولانا حافظ محمد انوار صاحب نے گزرتے ہوئے استاذ صاحب کے بازو کو اپنے ہاتھ سے چھوا اور پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ ایسے مناظر اہل دنیا کے لیے ناقابل یقین ہوتے ہیں۔ پیسہ، دولت، شہرت اور حکومت بھی کسی کے دل میں وہ عزت پیدا نہیں کر سکتے جو طلبا کے دل میں استاذ گرامی کے لیے تھی۔

ایک بار برادرم مولانا محمد عاصم رضوی کی زبانی ایک واقعہ سنا کہ کراچی کے کسی جلسے میں ایک مقرر نے حاضرین سے قرآن مجید کا ایک صیغہ پوچھا۔ حاضرین میں سے کوئی بھی

درست جواب نہ دے پایا تو مقرر صاحب نے کہا: ''مَیں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں مولانا خادم حسین صاحب کا کوئی شاگرد موجود نہیں، اگر کوئی ہوتا تو ضرور یہ صیغہ بتا دیتا۔''

ان تمام واقعات کی وجہ سے دل میں حضرت سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ معلوم ہوا کہ استاذ صاحب درجۂ ثالثہ میں ''مراح الارواح'' پڑھاتے ہیں۔ شومیٔ قسمت کہ اس سال استاذ صاحب حادثے کا شکار ہوکر معذور ہو گئے۔ چند ماہ صاحبِ فراش رہنے کے بعد دوبارہ مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے تو معذوری کے باعث دارالحدیث تک محدود ہو گئے اور دیگر اسباق چھوڑ دیے۔ اس دوران آپ ویل چیئر پر جامعہ تشریف لاتے۔ طلبا دیدۂ دل فرشِ راہ کرتے ہوئے اپنی گردنوں پر اُٹھا کر اُوپر والی منزل پہ واقع دارالحدیث لے جاتے۔ آپ آتے، جاتے اکثر طلبا سے سوالات کرتے جس کے باعث طلبا کچھ فاصلے پر رہنا مناسب سمجھتے۔

وقت گزرتا رہا اور راقم درجۂ رابعہ میں پہنچ گیا۔ ایک دن استاذ صاحب حسبِ معمول حدیث پاک پڑھانے کے بعد واپس روانہ ہوئے تو راہداری سے گزر مجھے دیکھ کر خدام کو رکنے کا اشارہ کیا اور مجھے کہا: ''اِدھر آؤ''، میں قریب گیا، دست بوسی کی، استاذ صاحب نے پوچھا کہ کس کلاس میں پڑھتے ہو؟ عرض کی: چوتھے سال میں (بوجوہ رابعہ نہیں کہا)۔ فرمایا: ''وَیَنْعِہٖ کیا صیغہ ہے؟'' ابھی سوچنا شروع ہی کیا تھا کہ فوراً دوسرا سوال ہوا: ''حافظ ہو؟'' عرض کیا: جی۔ فرمایا: ''پڑھو: اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی''، شروع کیا۔ ایک جگہ سانس لینے کے لیے رکا تو فرمایا: قرآن مجید صحیح یاد کرو۔ یہ کہہ کر خدام کو اشارہ کیا اور روانہ ہو گئے۔

چند مہینوں کے بعد ایک اور ملتا جلتا واقعہ پیش آیا۔ استاذ صاحب حسبِ معمول سبق پڑھانے کے بعد واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک مجھے اشارے سے طلب فرمایا۔

اس وقت میں دارالحدیث کے نیچے والے ہال میں فرش پر بیٹھا کسی سبق کی عبارت دہرا رہا تھا۔استاذ صاحب کے پاس حاضر ہوا،دست بوسی کی۔استاذ صاحب نے فرمایا: ’’**ولاالضالین**‘‘ سے صرف صغیر سناؤ۔شروع ہو گیا،اسم ظرف پر سانس لینے کے لیے رکا تو فرمایا کہ صحیح یاد کیا کرو۔ یہ فرما کر رخصت ہو گئے۔

یوں استاذ صاحب سے چند ایک نشستوں میں پڑھا بھی اور اُن کو سبق بھی سنایا اور کسی طور شرف تلمذ حاصل کیا۔

ان ہی دنوں میں اللہ کی ایک ممتاز تلوار نے وقت کے فرعون کا خاتمہ کر دیا۔مغربی طاقتوں کے نمک خوار نام نہاد مسلمان غازی صاحب کو قاتل ثابت کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا چکے تھے کہ ایک مرد قلندر نے ’’غازی تیرے جاں نثار...... بے شمار بے شمار‘‘ کا نعرہ بلند کیا۔استاذ گرامی نے تحریک رہائی غازی ممتاز قادری چلائی جو غازی صاحب کی شہادت کے بعد تحریک لبیک یارسول اللہ بن گئی۔آپ نے تنظیمی وتحریکی سرگرمیوں کے باعث تدریس سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور یوں دارالحدیث میں آپ سے پڑھنے کا خواب خواب ہی رہا۔

دنیا استاذ صاحب کے بہت سے کارناموں سے واقف ہے،تاہم ان کی زندگی کا ایک درخشاں باب ان کی تدریس ہے۔آپ نے بہت سے رجال تیار کیے۔آج اہل سنت کے مدارس کا علمی معیار استاذ صاحب کی تدریس اور ان کی لکھی ہوئی ’’تیسیر ابواب الصرف‘‘ و ’’تعلیلاتِ خادمیہ‘‘ کا مرہونِ منت ہے۔رہتی دنیا تک ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت کا فیضانِ علم جاری وساری رہے گا۔

اس کے علاوہ آپ نے جو غیرت وحمیت کا درس دیا ہے اسے اپنے تو اپنے دشمن بھی بھلا نہ پائیں گے۔شعائر اسلام کے خلاف بولنے سے پہلے لوگ ایک دفعہ دائیں بائیں ضرور دیکھیں گے کہ کہیں کوئی خادم رضوی کا نام لیوا تو موجود نہیں۔

امیر المجاہدین، جیسا مَیں نے اُنھیں پایا

جامعہ نظامیہ رضویہ کے متعدد فضلائے کرام نے امیر المجاہدین علیہ الرحمہ سے متعلق اپنی یادوں کو قلمبند کر کے مجلّہ النظامیہ میں اِشاعت کے لیے اِرسال فرمایا۔ حذفِ مکررات اور نظر ثانی کے بعد امیر المجاہدین کی شخصیت سے متعلق متفرق معلومات پیشِ خدمت ہیں۔ (ادارہ)

زبان کی تاثیر:

☆ مولانا محمد ارشاد سلطانی فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، 2013ء، آزاد کشمیر نے لکھا:

حدیثِ قدسی کا مفہوم ہے کہ جب بندہ اللہ تعالی کا محبوب ہو جاتا ہے تو اُس کے اعضا میں اللہ تعالی کی قوتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ مثلاً زبان، اللہ تعالیٰ اُس کی زبان میں ایسی تاثیر رکھ دیتا ہے کہ جو وہ بولتا ہے دلوں میں اتر جاتا ہے، اس کی زبان حق گوئی کرتی ہے، وہ جیسے کہے اللہ تعالی اُس کے مطابق کرم فرما دیتا ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

مَیں نے قبلہ امیر المجاہدین کی زبان میں بھی یہ قوت و طاقت اور تاثیر دیکھی کہ جو الفاظ آپ کی زبان مبارک سے صادر ہوئے پوری دنیا کے مسلمانوں تک پہنچنے کے ساتھ ساتھ دلوں میں اُتر گئے۔ آپ کی زبان مبارک سے صادر، ہر آیت، حدیث، شعر، اور صحابہ کرام، اہل بیت، اسلاف کے فرامین بچے بچے کو یاد ہو جاتے۔ جیسا کہ قبلہ امیر المجاہدین علیہ الرحمہ کی زبان مبارک سے ختم نبوت والی آیت "ما کان محمدٌ ابا احدٍ من

رجالکم"، گستاخ کے بارے میں حدیث مبارک "**من سبّ نبیًّا فاقتلوہ**"، امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان: ''اگر امت حضور کی ناموس پر پہرہ نہیں دے سکتی تو اسے جینے کا کوئی حق نہیں'' اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا شعر ''اُنہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام'' اور ''لبیک یارسول اللہ'' و ''تاجدارِ ختم نبوت زندہ باد''، کا نعرہ وغیرہ۔

قبلہ امیر المجاہدین عالم باعمل، ولی کامل بہادر، مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم سیاسی ومذہبی لیڈر بھی تھے۔ اللہ پاک آپ کا فیض اور مشن تا قیامت جاری وساری فرمائے۔

حبِ رسول جس کے لہو میں تھی موجزن — وہ خادمِ رسول جہاں سے گزر گیا

اختلافات لاکھ ہوں گے دنیا کو تجھ سے مگر

رسول اللہ پر تیرا فدا ہونا یاد رہے گا (صلی اللہ علیہ وسلم)

ایک باعمل عالمِ دین:

☆ مولانا محمد امین فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، 2010ء، لکھتے ہیں:

امیر المجاہدین علیہ الرحمہ "**انما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤ**" کا مظہر تھے۔ آپ جتنے بڑے عالم تھے اتنے ہی بڑے متقی، پرہیز گار اور خوفِ خدا سے سرشار عابد وزاہد بھی تھے۔ آپ سنتِ رسول کے پیکر، طریقت کے راہی اور شرم وحیا کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے وابستہ افراد اِس بات کے چشم دید گواہ ہیں کہ جب بھی لوہاری گیٹ سے جامعہ تک پیدل آتے تو آپ کا سر جھکا ہوا اور نظریں پاؤں پر جمی ہوتیں۔ بازار سے جلدی گزرنے کی کوشش کرتے۔ آپ نوافل اور درودِ پاک کی کثرت کرنے والے تھے۔ قرآن کے پختہ حافظ، ثقہ عالمِ دین اور حافظِ دلائل الخیرات شریف تھے۔ کثیر اکابر شعرا کا کلام

بھی آپ کو از بر تھا۔ آپ نہایت منکسر المزاج تھے، ملنے والوں کو فرمایا کرتے: ہم تو سادہ بندے ہیں، سادہ گفتگو کرتے ہیں، ہماری باتیں انگریزی دان لوگوں کو کم ہی سمجھ میں آتی ہیں۔ آپ کے لہجے میں انتہائی نرمی تھی۔ بہت سارے لوگ صرف ایک ہی ملاقات میں گرویدہ ہو جاتے۔ آپ دنیا سے بے رغبت، حسد، حقد اور طمع سے دور، قلندرانہ اور غیرت و حمیت سے بھرپور زندگی کے حامل تھے۔

پیکرِ سخاوت:

☆ مولانا فیاض احمد نقشبندی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، 2017ء، لاہور رقمطراز ہیں:

قبلہ استاذِ گرامی کی سخاوت اور دینی طلبا کے ساتھ محبت کے حوالے سے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

راقم نے اپنے مادرِ علمی جامعہ غوثیہ نوریہ، سبزہ زار، لاہور سے موقوف علیہ تک پڑھنے کے بعد جب جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں دورۂ حدیث شریف کے لیے داخلہ لیا تو اپنے سابقہ ادارے سے گہرے قلبی تعلق کی بنا پر اکثر اوقات وہاں بھی آنا جانا رہتا تھا۔ ایک روز نماز عصر کے وقت قبلہ امیر المجاہدین کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ جامعہ غوثیہ نوریہ کے سامنے سے گزر ہوا تو جامعہ سے متصل مسجد میں نمازِ عصر کے لیے رک گئے۔ اندر تشریف لائے، طلبا نے سلام پیش کیا اور میں نے بھی سلام کے ساتھ ساتھ دست بوسی کا شرف پایا۔ آپ فرمانے لگے: ''کس کلاس میں ہو؟'' مَیں نے عرض کی: ''جی دورہ حدیث میں ہوں'' پوچھا: ''کس جامعہ میں؟'' میں نے عرض کی: ''جی جامعہ نظامیہ میں''۔ فرمانے لگے: ''اچھا پھر کوئی حدیث شریف سناؤ'' میں نے ایک حدیثِ مبارک کا متن سنایا تو پنجابی میں فرمایا:

''اِنج نئیں، سند وی سُنا'' اس پر میں دست بستہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ آپ نے کچھ پیسے نکالے، ایک طالب علم کو فرمایا: ''سارے بچے گنو''۔ اس نے گن کر تعداد عرض کی۔ آپ نے وہ پیسے مجھے تھمائے اور فرمایا: ''خود بھی لے لو اور باقی طلبا میں بھی بانٹ دو''۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اکابر کا احترام اور سخاوت:

☆ مولانا محمد عدیل رضوی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، 2018ء، سیالکوٹ، لکھتے ہیں:

میرا 2011ء سے سیدی امیر المجاہدین سے تعارف ہوا، پھر اس دوران ہی شرفِ بیعت بھی حاصل ہوا۔ میں نے اس دورانیہ میں جو کچھ ان سے سیکھا اس میں سے دو چیزیں بیان کروں گا: ۱) اپنے اسلاف سے پیار اور ان کا ادب۔ ۲) سخاوت۔

اپنے بڑوں کا جس باادب لہجے میں وہ نام لیتے اس سے سننے والے کے دل میں ان کی محبت کا مزید اضافہ ہو جایا کرتا۔ بہت سارے افراد کو جب مراتب علیا حاصل ہو جائیں تو وہ اپنے کرم فرماؤں کو بھول جاتے ہیں مگر سیدی امیر المجاہدین علیہ الرحمہ جس محبت بھرے انداز میں استاذ مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیتے سن کر بہت خوشی ہوتی۔ آپ اپنے استاذوں کی ڈانٹ کو بھی فخر سے بیان کرتے تھے، کئی مواقع پر استاذ حافظ صاحب سے ملاقات کا انداز دیکھ کر پتا چلتا تھا کہ استاذ کا مقام کیا ہے۔ ان کی خاطر ویل چیئر سے اتر کر نیچے بیٹھ جاتے تھے، بلکہ ایک دفعہ فرمایا استاذ حافظ صاحب نے مجھے پڑھا کر اس قابل بنایا اور اس کے بعد بھی ہمارا خیال رکھتے ہیں۔

کئی مواقع پر بزرگ شخصیات سے ملتے تو باادب ہو کر ملتے، کئی مرتبہ مفتیٔ اعظم

پاکستان مفتی منیب الرحمٰن صاحب سے ملنے گئے تو بقول مفتی صاحب کے میری نصیحت بھری باتوں کو بڑی توجہ سے سنا۔ اپنے پیر خانے جاتے تو بغیر کسی پروٹوکول کے عام عوام میں رہنا پسند کرتے۔

اسی طرح وہ ایک سخی انسان تھے۔ لالچ ان کی طبیعت میں دُور دُور تک نہیں تھا۔ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی سخی انسان نہیں دیکھا اگر ان کو کوئی تحفتاً بھی کوئی چیز پیش کرتا تو وہ بدلے میں بھی اس کو کچھ عطا کرتے، بہت سارے افراد ایسے ہیں جن سے وہ خفیہ تعاون کرتے حتیٰ کہ ان کی جیب میں پیسے ڈال دیتے کہ کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

کلامِ اعلیٰ حضرت سے محبت:

☆ مولانا حافظ عبدالرحمان نقشبندی، لودھراں، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لکھتے ہیں:

قبلہ استاذیم امیر المجاہدین قدس سرہ کی اسلاف سے محبت وعقیدت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ 2009ء میں دورانِ سبق کلامِ اعلیٰ حضرت ''حدائق بخشش'' کا تذکرہ ہوا۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ قبلہ مفتی فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ نے حدائق بخشش کی شرح پچیس جلدوں میں قلمبند فرمائی ہے۔ یہ سن کر قبلہ امیر المجاہدین نے نہایت ادب واحترام کے ساتھ قبلہ اویسی علیہ الرحمہ کا تذکرہ کیا اور راقم کو حکم دیا کہ جب بہاولپور جاؤ تو اُن کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرنا، ساتھ ہی نذرانہ بھی دیا کہ قبلہ اویسی صاحب کی خدمت میں پیش کرنا۔ راقم نے حکم کی تعمیل کی۔ قبلہ اویسی صاحب نے بھی عربی تفسیر ''فضل المنان'' کی مطبوعہ جلدیں بطورِ تحفہ قبلہ امیر المجاہدین کے لیے پیش کیں۔

بارگاہِ رسالت مآب کا حیا اور مقبولیت:

مولانا حافظ خورشید انجم، فیض یافتہ جامعہ نظامیہ رضویہ، رقمطراز ہیں:

استاد محترم قبلہ باباجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پہلی بار جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو ہم سب کلاس والوں نے سلام عرض کرنے کی استدعا کی۔ واپسی پر ہم نے آپ سے حالات و مشاہدات سنانے کی درخواست کی تو فرمانے لگے (ان کے الفاظ میں):

''جب ہماری بس مدینہ شریف کی حدود میں داخل ہوئی تو میری چیخ نکلی۔ سارے لوکی مینوں ویکھن ایس مولوی نوں کی ہوگیا۔ میرے دل وچ اِکو ای گل سی: "جے سرکار ﷺ نے مینوں پچھیا: خادم! دس کی لے کے آیاں ایں؟ تے مَیں حضورنوں کی جواب دیواں گا"۔''

فرمایا:

''ساڈا خیمہ مسجد نبوی دے بالکل سامنے سی، جدوں مَیں نماز واسطے تیار ہو کے چلن لگا تے مینوں غش پے گیا، اے سوچ کے کہ سرکارنوں کہیڑا منہ وکھاواں گا؟ آخر کار میں تیار ہو کے حضور دی بارگاہ وچ عرض کیتی: "یارسول اللہ! مَیں اج آواں گا، مَیں تہاڈے سامنے کھلو کے ہتھ چک کے دعا کرنی اے، تے کسے کافرنوں ہمت نہ ہووے مینوں منع کرن دی"۔''

فرمایا: ''میں پوری دلائل الخیرات مواجہہ شریف دے سامنے بہہ کے پڑھی، جدوں ہتھ چک کے دعا کرن لگا اِک باباجی وی آ گئے، اُونہاں آمین کیتی۔ مَیں آکھیا: باباجی تسی دعا کرو تے مَیں آمین کراں گا۔''

فرمایا: ”قسم بخدا! اُوہ بابا جی ہتھ چک کے اُچی آواز وچ دعا کر دے رہے، تے مَیں آمین۔شُر طے باقی لوکاں نوں چھڑیاں ماردے سن پر ساڈے نیڑے کوئی نئیں آیا“۔

بارگاہِ اقدس میں حاضری کا اِحساس:

مولانا محمد حسن رضا، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ 2020ء نے لکھا:

امیر المجاہدین علیہ الرحمہ خود بھی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں جوابدہی کا احساس شدت سے رکھتے اور دوسروں میں بھی یہ احساس بیدار کرتے۔ایک جلسے میں کہنے لگے:

اگر رسول اللہ ﷺ نے پوچھ لیا: او چودھری! اوکونسلر! او ایم پی اے! او ایم این اے! اِس دین کے لیے مَیں نے پتھر کھائے، مٹی اُٹھائی، تلوار اُٹھا کر میدانوں میں گیا، اِس دین کی خاطر میرے نواسے نے گردن کٹوائی، اِس دین کے لیے میرے چچا نے جگر کلیجے نکلوائے، مگر چودھری تیرے ہوتے ہوئے مساجد سے اسپیکر اُتارے گئے۔اُس وقت تیری پاور کدھر تھی؟ اُس دن اگر رسول اللہ ﷺ نے پوچھ لیا: بتا او مالدار! صدیقِ اکبر نے تو سارا مال دین کو دے دیا تو نے کبھی زکوۃ بھی نہ دی، دین سے غداریاں کیوں کرتے رہے؟ دین کو دیا کیا ہے؟

یہ بوڑھے پورا دن فلمیں دیکھتے ہیں، حقے پیتے ہیں۔اگر حضور ﷺ نے قیامت کے روز حضرت عمرو بن معدی کرب کو بلا لیا کہ یہ میرا بوڑھا صحابی مدینے سے چل کر یرموک گیا، تُو زیادہ بوڑھا تھا کہ میری عزت کی خاطر مال روڈ تک نہ گیا؟

اگر کسی نے کہا کہ میرے بچے چھوٹے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے امام حسین کے

بیٹوں کو پیش کر دیا، کیا تمہارے بچے اِن سے بھی چھوٹے تھے؟ تم اپنے بچوں کی جوانیاں بچاتے ہو، تیرے پتر علی اکبر سے زیادہ خوبصورت تھے؟

دوستی کا دعویٰ کیا، عاشقی سے کیا مطلب
مَیں ترے فقیروں میں مَیں ترے غلاموں میں

تمہارے در کے گداؤں کی شان عالی ہے:

مولانا پیر محمد عرفان تو گیروی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ 2008ء، مدرس جامعہ فخر المدارس دربار قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمہ، چشتیاں شریف رقمطراز ہیں:

اُٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کو بڑھانے والے

راقم الحروف 2000ء سے 2003ء تک جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں پڑھتا رہا، 2004ء سے درجۂ رابعہ میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں داخل ہو گیا۔ زمانۂ طالب علمی میں ہر جمعہ دربار حضرت پیر مکی علیہ الرحمہ لاہور میں امیر المجاہدین کی اقتدا میں ادا کرتا اور آپ کے عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے معمور خطبات سے مستفیض ہوتا رہا۔ آپ نے تدریس و تقریر ہر دو میدان میں ناموسِ رسالت کے دفاع کے لیے کاوشیں کیں اور کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ راقم کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی روحانی غذا اور تربیت آپ سے ملی ہے۔

ایک موقع پر استاذ گرامی علیہ الرحمہ نے فرمایا: مجھے پیر پٹھان حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ کے آستان ذیشان پر جو سکون حاصل ہوا وہ مدینہ پاک کے بعد اپنی مثال آپ تھا، ایسا سکون کہیں اور نہیں ملا۔ مزید فرمایا: جب میں تونسہ شریف حاضر ہوا تو

ایسا محسوس ہوا کہ پیر پٹھان علیہ الرحمہ مجھے گلے لگا کر مل رہے ہیں۔

آپ کا انداز تدریس بڑا ہی دلکش اور منفرد تھا، دورانِ تدریس طلبا کی تربیت کے لیے غیر نصابی باتیں بھی بتاتے۔

استاذ گرامی علیہ الرحمہ مجھ پہ خاص شفقت و محبت فرماتے تھے، جب بھی ملاقات ہوتی تو ''پیر صاحب'' کہہ کر پکارتے۔ کچھ عرصہ قبل خواب میں بھی آپ نے شفقت فرمائی، آپ دربار حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمہ پہ حاضر ہوئے، مجھے پچاس روپے عنایت کیے اور حکم فرمایا: حضور قبلۂ عالم علیہ الرحمہ کا در اقدس کبھی نہ چھوڑنا۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس اِن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

فنا فی خاتم النبیین:

مولانا فضل احمد سلطانی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ 2006ء، لاہور نے لکھا:

راقم الحروف شروع سے امیر المجاہدین علیہ الرحمہ کے شیخ گرامی حضرت خواجہ عبدالواحد المعروف حاجی پیر رحمہ اللہ تعالی کے نظامِ مساجد کے ساتھ منسلک ہے۔ آپ کے ساتھ 1998ء سے اب تک شاگردی کے علاوہ ایک خاص تعلق حضرت صاحب کی نسبت سے بھی رہا۔ امیر المجاہدین سے میری آخری ملاقات 3 نومبر 2020ء کو ہوئی۔ اس سے ایک ہفتہ پہلے آپ کی خدمت میں جامعہ نعمانیہ حاضر تھا، سید ظہیر الحسن شاہ صاحب بھی موجود تھے۔ مَیں کچھ کہنے کی اجازت چاہی، فرمایا: ''اجازت ہے''۔ مَیں نے شاہ صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''جناب! ہمیں حضرت (حاجی پیر) صاحب نے جامعہ نظامیہ بھیجا،

امیر المجاہدین محدثِ اعظم ہال میں کلاس صرف کو ترجمۂ قران پڑھا رہے تھے اور آیۂ قرانیہ:
''وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ وَ ادۡعُوۡا شُھَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ.'' (اور اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں کوئی شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو تم اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے سب مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو) پر کلام جاری تھا۔اس کے بعد قبلہ استاذ گرامی نے اس آیت کی تفسیر کی جس کا مفہوم یہ تھا: ''جس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُترنے والی کتاب بے مثل و بے مثال ہے تو اُس نبی کی کوئی مثل کیسے ہوسکتا ہے؟

قبلہ استاد گرامی کی موجودگی میں شاہ صاحب سے عرض کیا: ''ہم نے پہلے دن آپ کی زبان مبارک سے شانِ رسالت مآب ہی سنی اور آج تک سن رہے ہیں، اسی چیز نے ہر طبقے کو آپ کی بارگارہ میں آنے پر مجبور کر دیا'' ۔

باادب بامراد:

مولانا شوکت علی فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ 2015ء، لودھراں رقمطراز ہیں:

قبلہ امیر المجاہدین علیہ الرحمہ بزرگوں کا بہت ادب کرتے تھے حتی کہ ان کے جوتے بھی اپنے سر پر رکھتے۔ کسی موقع پر آپ نے فرمایا: ''ایک مرتبہ محافظِ ختم نبوت مولانا عبدالستار خان نیازی علیہ الرحمہ داتا صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے آستان ذیشان پر حاضر ہوئے، انھوں نے اپنے جوتے اُتار کر رکھے تو میں نے اُٹھا کر اپنی پگڑی میں رکھ لیے، جب مجاہدِ ملت واپس آئے تو جوتے نکال کر اُنہیں پیش کر دیے''۔

اسی طرح آپ حدیث پاک کا بہت ادب کرتے۔ جب سبقِ حدیث کے دوران

کسی کو جماہی آتی اُسے کلاس سے باہر نکال دیتے اور فرماتے: تم کیسے لوگ ہو، حدیث پاک پڑھتے ہوئے تمھیں جماہی آتی ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر بڑا بھروسہ تھا۔ اُن کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے:

ایک بار جیل گئے تو دوپہر کو برائلر گوشت کھانے کے لیے دیا گیا، مَیں نے کبھی برائلر نہیں کھایا تھا۔ ساتھی علما نے کہا: کھا لو، کیا معلوم کتنے دن یہاں رہنا پڑے۔ میں نے کہا: جو خود نہیں چل سکتا اُسے کھا کر ہم ناموسِ رسالت کا کام کیسے کریں گے؟ چنانچہ پانی کے ساتھ روٹی کھانا شروع کر دی۔ ایک یا دو لقمے ہی کھائے تھے کہ سپری ڈینٹ نے آواز دی: مولوی خادم کون ہے؟ بتایا کہ مَیں ہوں۔ اس نے کہا: داتا صاحب کے فلاں خدمت گزار نے آپ کے لیے کھانا بھیجا ہے۔ وہ دیسی گھی میں تیار کردہ دیسی مرغ تھا۔ چنانچہ مَیں نے رفقا سے کہا: جن کی ناموس کی خاطر ہم یہاں آئے ہیں وہ ہمیں بھوکا نہیں رہنے دیں گے، انہیں معلوم ہے کہ کون غلام کس کھانے کو ہماری وجہ سے پسند نہیں کرتا۔

لطف و قہرِ اُو سراپا رحمتے:

مولانا غلام یاسین منگھیروی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ 2013ء لکھتے ہیں:

لطف و قہرِ اُو سراپا رحمتے　　آن بیاران اِین بأعدا رحمتے

اس کا لطف وقہر دونوں سراپا رحمت ہیں، لطف یاروں کے ساتھ اور قہر دشمنوں کے ساتھ رحمت ہے

غالباً 2012ء یا 2013ء کی بات ہے، جب میں دورۂ حدیث شریف کی کلاس میں تھا، جامع مسجد مسلم (لوہاری گیٹ لاہور) میں رات کو لبیک یا رسول اللہ کانفرنس ہوئی، جس میں غازی ثاقب شکیل جلالی بھی شریک تھے۔ دوسرے دن کافی طلبا کلاس میں غیر حاضر تھے،

آپ پڑھانے کے لیے تشریف لائے، سبق کے بعد طلبا کو خصوصی طور پر نصیحتیں فرمائیں، اُس دن آپ کا جمال دیدنی تھا۔ اس روز آپ نے حاضر طلبا کو تین نقش (تعویذ) لکھنے کی اجازت عنایت فرمائی اور ساتھ ہی فرمایا: جو آج غیر حاضر ہیں انہیں یہ اجازت نہیں ہے۔ نیز آپ نے طلبا کو شادی کے حوالے سے خصوصی شفقت بھری نصیحتیں فرمائی:

(۱) شادی اپنے خاندان میں کرنی ہے۔ اس حوالے سے آپ نے ایک سبق آموز واقعہ بھی سنایا کہ یہاں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں ایک قاری صاحب تھے، بہت بن ٹھن کے رہتے، انہوں نے اپنے خاندان سے باہر شادی کی، اُن کی تنخواہ 2500 سو روپے تھی اور ان کی اہلیہ کے میک اپ کا ماہانہ خرچ 3500 روپے تھا، مختصر عرصہ میں ہی قاری صاحب کے حالات دگرگوں ہو گئے۔ فرمایا: اگر اپنے خاندان میں شادی کرو گے تو وہ کچھ تو حیا کرے گی۔

(۲) شادی کے سلسلہ میں اپنے ماں باپ کو ذلیل نہیں کرنا۔ اس بارے میں بھی آپ نے ایک واقعہ سنایا۔ فرمانے لگے: تمہاری طرح ایک لڑکا کچھ پڑھ گیا، شادی کے بارے میں اس نے اپنے ضعیف العمر ماں باپ کو ایک طویل تحریر لکھ کر دی، جس میں اپنی بیوی کے لیے لمبی چوڑی شرائط لکھ دیں، اُس کے ماں باپ یہ تحریر لے کر جہاں بھی جاتے یہ شرائط دکھاتے اور مایوس ہو کر لوٹتے۔ جب اپنے بیٹے کو یہ صورت حال بتاتے تو وہ ایک شرط کاٹ دیتا۔ یہ سلسلہ جاری رہا، اِدھر ماں باپ اپنی برادری میں جاجا کر اُکتا گئے اُدھر اُن کا بیٹا بھی ایک ایک شرط کاٹتا گیا۔ بالآخر اس کی ایک ہی شرط رہ گئی: ''مؤنث ہو''۔ اس وقت اس کی شادی کی عمر تقریباً بیت چکی تھی۔ فرمایا: ''تم نے ایسا نہیں کرنا، اپنے ماں باپ کی مرضی کے مطابق شادی کرنی ہے''۔

(۳) ایک ہم سبق نے عرض کی: استاذ گرامی! ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ''قریبی رشتہ داروں میں

شادی کرنے سے اولاد معذور پیدا ہوتی ہے"۔فرمایا: اینویں بکواس کردے نیں۔ میں نے اس دن آپ کا جمال دیکھا۔

جلال اور جمال دونوں ہی سرکار دو عالم ﷺ کے اوصافِ جلیلہ میں سے ہیں، جو ہمارے استاذ گرامی امیر المجاہدین قبلہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ میں موجود تھے۔ جلال غیروں کے لیے اور جمال اپنوں کے لیے۔

الرثاء:

يقول الدكتور مفتى حق النبى سكندرى الازهرى: اليوم نَرثى، وغدًا نُرثى، إنها مشيئة اللّٰه تعالى فى خلقه، وهو العَدل كيف تصرفت الأقدار، فإِنّا للّٰه وإِنّا إليه راجعون.

كان الظنّ أن الرجالَ أصحابَ الهمم العالية لايرحلون، ولكن جاء نا النبأ الفاجعة برحيل الأستاذ الكبير العالم النبيل أمير المجاهدين العلامة خادم حسين الرضوى، الفارس الذى عاش عيشة رضية، فى ختم نبوة خير البرية، علّم الأجيال حبّ سيد الأبرار، وربّى الناس بالرسالة التربوية فى فناء ذات الحبيب المصطفى عليه التحية و الثناء.

نفتقد صوتك، كلماتك، شهامتك، شجاعتك، كرمك وصورتك البهية الراسخة فى ذاكرتنا.

نَمْ قريرَ العين أيها المجاهد البطل! سيفتقدك تلاميذك، وتذكرك صروح العلم والتربية. فإلى جنات الخلد يا أستاذى، وداعا أيها المجاهد العظيم.

عاشقِ جانِ رحمت تو ہے بے مثال

کلام: شاعرِ نظامیہ مولانا محمد ثاقب افضل رضوی، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ

عاشقِ جانِ رحمت تو ہے بے مثال   خادمِ دین و ملّت تو ہے بے مثال

حق تعالیٰ نے تجھ کو وہ جذبہ دیا   جس نے باطل پہ لرزہ ہے طاری کیا
صاحبِ عزم و جرأت تو ہے بے مثال

کام ناموسِ آقا کا کرتا رہا   حبِّ احمد تو سینوں میں بھرتا رہا
ناشرِ عشق و غیرت تو ہے بے مثال

حافظِ شانِ ختمِ نبوّت بنا   منکروں کے لیے اِک قیامت بنا
چھائی ہے اُن پہ ہیبت تو ہے بے مثال

وَعظ میں پُر اثر تیرا انداز تھا   طرزِ تدریس میں بھی تو ممتاز تھا
بزمِ دانش کی زینت تو ہے بے مثال

تیرے خطبوں سے جاگے ہیں پیر و جواں   بچے بچے کے لب پر ہیں نعرے رَواں
دی نئی سب کو قوّت تو ہے بے مثال

دل فدا ہوتے تھے رُخِ حسیں دیکھ کے   کر دیے پھر جنازے نے سب فیصلے
مسلکِ حق کی شوکت تو ہے بے مثال

صرف ثاقب نہیں تیرا مدحت سرا   سب اکابر مشائخ بھی ہیں ہم نوا
کہتی ہے ساری خلقت تو ہے بے مثال

عاملِ قرآن وسنت حضرت خادم حسین

نتیجۂ فکر: صدام حسین نازاں، بہار، الہند

عاملِ قرآن وسنت حضرت خادم حسین
قاطعِ کفر و ضلالت حضرت خادم حسین

اجر دے گا خالقِ کونین تجھ کو حشر میں
تُو نے کی ہے ایسی خدمت حضرت خادم حسین

حق بیانی جرأت و اخلاص وشفقت کے طفیل
ہر طرف ہے تیری شہرت حضرت خادم حسین

دل کا ارماں ہے دکھائیں خواب میں آ کر کبھی
اپنا جلوہ اپنی صورت حضرت خادم حسین

جو بھی سنتا دین سے ہو جاتا وہ بے حد قریب
ایسی کرتے تھے نصیحت حضرت خادم حسین

اپنے تو اپنے ہیں غیروں کو رُلا کر رکھ دیا
یوں اچانک تیری رحلت حضرت خادم حسین

دشمن احمد کے سینے میں چبھن ہوتی تھی جب
آپ فرماتے خطابت حضرت خادم حسین

تیشۂ حق وصداقت سے ہے تم نے ڈھا دیے
کفر وظلمت کی عمارت حضرت خادم حسین

کر نہیں سکتا کبھی نازاں بیاں اشعار میں
آپ کی بے مثل سیرت حضرت خادم حسین

وہ رضوی تھا

جو ملت کی اُمیدوں کا سہارا تھا وہ رضوی تھا
جو طوفانوں میں کشتی کا کنارا تھا وہ رضوی تھا

لہو سے آب یاری کر کے یہ اُجڑا ہوا گلشن
اسی نے باغباں بن کر سنوارا تھا وہ رضوی تھا

بھٹکنے والی ملت کے پریشاں نوجوانوں کو
لگا کے دین کا نعرہ سدھارا تھا وہ رضوی تھا

تھما کے دین کا پرچم یہ دنیادار لوگوں کو
نظامِ آقا کی خاطر اُبھارا تھا وہ رضوی تھا

نبی کی آن کی خاطر نبی کی شان کی خاطر
اُسی نے وقت زِنداں میں گزارا تھا وہ رضوی تھا

مظالم لاکھ جھیلے تھے مگر نہ تھی شکایت بھی
فقط لبیک یا آقا پکارا تھا وہ رضوی تھا

یوں تو اب بھی لگاتے ہیں محافل میں بہت نعرے
جسے لبیک کا نعرہ ہی پیارا تھا وہ رضوی تھا

نہ دولت کی طلب تھی نہ ہی شہرت کا اُسے لالچ
نہ اپنی ذات کا نعرہ گوارا تھا وہ رضوی تھا

کروڑوں لوگ اس کے اِک اشارے پر فدا ہوتے
نبی کے عاشقوں کا جو دُلارا تھا وہ رضوی تھا

تغافل کے اندھیروں میں گِھری ملت کی ناؤ کو
جو سمتِ حق دکھائے، وہ ستارا تھا وہ رضوی تھا

بتائیں گے بطورِ فخر آنے والی نسلوں کو
نڈر اور شیر دل قائد ہمارا تھا وہ رضوی تھا

صدائے فَاقْتُلُوْ سے قتل کا فتوی دیا جس نے
نبی کے دشمنو! دشمن تمہارا تھا وہ رضوی تھا

ہزاروں جھک گئے، ملا و پیروں نے کیے سودے
مگر جو ظلم کے آگے نہ ہارا تھا وہ رضوی تھا

اگر ہے موت جو آنی تو بستر پہ بھی آئے گی
دلوں سے خوف جس نے یوں اُتارا تھا وہ رضوی تھا

کیا تھا حاضر و موجود سے بیزار مسلم کو
غنا کی سان سے جس نے گزارا تھا وہ رضوی تھا

یزیدِ وقت کے آگے ادا کی رسم شبیری
سبھی کچھ دین کی خاطر ہی وارا تھا وہ رضوی تھا

کیا ختمِ نبوت کا علَم یوں سر بلند اس نے
کہ خنجر قادیانیت کو مارا تھا وہ رضوی تھا

کہاں پہ امن کرنا ہے کہاں غیرت دکھانی ہے
بتا کے جس نے ایماں کو نکھارا تھا وہ رضوی تھا

سخن کا اختتام اس پر میں کرتا ہوں اے زینی سن
کہ لفظِ عشق کا معنی جو سارا تھا وہ رضوی تھا

بندہ اُصول کا تھا خادم حسین رضوی

خادم حسین کا تھا خادم حسین رضوی
نوکر بتول کا تھا خادم حسین رضوی
فاروقی غیر بھی اب یہ کہہ رہے ہیں دیکھو
بندہ اُصول کا تھا خادم حسین رضوی

قیامت ہے کہ اربابِ محبت اٹھتے جاتے ہیں
نظر والوں سے خالی بزمِ فطرت ہوتی جاتی ہے

مجھ پہ تحقیق میرے بعد کرے گی دنیا
مجھ کو سمجھیں گے میرے بعد زمانے والے

حیاتِ امیر المجاہدین پر ایک نظر

- ★ ولادت: ۳ ربیع الاول، ۱۳۸۶ھ/ 22 جون، 1966ء، بروز بدھ
- ★ حفظِ قرآن کریم کے لیے جہلم کا سفر: ۱۳۹۴ھ/ 1974ء
- ★ جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ میں تجوید و قراءت: شوال ۱۳۹۹ھ/ ستمبر، 1979ء تا: شعبان، ۱۴۰۰ھ/ جون، 1980ء
- ★ درسِ نظامی کے لیے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں داخلہ: ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ/ 12 ستمبر، 1981ء، بروز ہفتہ
- ★ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور سے فراغت اور تنظیم المدارس کے تحت شہادۃ العالمیہ کی تکمیل: شعبان، ۱۴۰۸ھ/ مارچ، 1988ء
- ★ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریس کا آغاز: ۱۴ شوال، ۱۴۱۰ھ/ 9 مئی، 1990ء، بروز بدھ
- ★ محکمہ اوقاف، پنجاب میں شمولیت: ۱۴۱۴ھ/ اکتوبر، 1993ء
- ★ پہلی گرفتاری (داتا دربار کے باہر سے): صفر ۱۴۲۷ھ/ 17 مارچ، 2006ء، بروز جمعہ
- ★ مجلس علماءِ نظامیہ پاکستان کی صدارت: ۲۰ رجب ۱۴۲۸ھ/ 5 اگست، 2007ء، بروز اتوار
- ★ جامعہ نظامیہ رضویہ میں بطورِ شیخ الحدیث تقرر: ۱۶ شوال ۱۴۲۸ھ/ 29 اکتوبر 2007ء
- ★ دورۂ ملکِ شام: 2007ء
- ★ حادثہ، جس کے سبب معذور ہوئے: 2009ء
- ★ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں آخری سبق: ۹ ربیع الاول، ۱۴۳۶ھ/ یکم جنوری، 2015ء، بروز جمعرات
- ★ دوبارہ گرفتاری: ۱۲ ربیع الاول، ۱۴۳۶ھ/ 4 جنوری، 2015ء، بروز اتوار
- ★ ڈی چوک، اسلام آباد دھرنا بر موقع چہلم غازی ممتاز حسین قادری: 27 مارچ، تا 30 مارچ، 2016ء
- ★ قانونِ ختم نبوت میں ترمیم کے خلاف فیض آباد دھرنا: 5 نومبر، 2017ء تا 27 نومبر، 2017ء۔ آپریشن: 25 نومبر۔
- ★ ہالینڈ کی طرف سے گستاخانہ خاکوں کے مقابلہ کے اعلان پر لاہور تا اسلام آباد لانگ مارچ: اگست، 2018ء
- ★ آسیہ ملعونہ کی بریت کے خلاف دھرنا: 2 نومبر 2018ء
- ★ سہ بارہ گرفتاری: نومبر، 2018ء تا مئی 2019ء
- ★ مینارِ پاکستان میں لبیک یارسول اللہ کانفرنس: 2 نومبر، 2019ء، بروز ہفتہ
- ★ فرانسیسی سفیر کی ملک بدری اور فرانس سے بائیکاٹ کے لیے مارچ اور دھرنا: 15 نومبر، 2020ء
- ★ وصال: چوتھی شب، ربیع الثانی، ۱۴۴۲ھ/ 19 نومبر، 2020ء، شبِ جمعہ
- ★ نمازِ جنازہ و تدفین: ۵ ربیع الثانی، ۱۴۴۲ھ/ 21 نومبر، 2020ء، بروز ہفتہ